سفر آخرت کے اسلامی احکام

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149
H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001
Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست سفر آخرت کے اسلامی احکام

سفرِ آخرت کے اسلامی احکام

تقریظ

حضرت استاذی مولانا مفتی نصیر احمد صاحب علیہ الرحمۃ

خلیفہ حضرت فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتھم

وسابق مفتی جامعہ مفتاح العلوم (جلال آباد، یوپی،)

حمداً وسلاماً: امابعد احقر نے رسالہ ''سفر آخرت کے اسلامی احکام'' مؤلفہ مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب (مہتمم جامعہ مسیح العلوم) بنگلور، از اول تا آخر مطالعہ کیا، عام مسلمانوں کی حالتِ دینی کے پیشِ نظر نہایت سلیس اور آسان زبان میں لکھ کر بالکل ناواقف مسلمانوں کو بھی میت کے بارے میں تمام حالات کے احکام اور ہر ہر کام کو انجام دینے کے آداب وطریقے اس میں درج کر دئے ہیں، الغرض اس سے معمولی استعداد کے لوگ بھی پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، حق تعالی مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط : نصیر احمد عفی عنہ

(مہتمم ادارہ وخطیب مرکزی مسجد پھونس والی، بڑوت، ضلع میرٹھ)

۹ ررمضان المبارک ر۱۴۱۶ھ مطابق ۱۵ ر نومبر ر۱۹۹۵ع

تقریظ

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی شاہ مظفر حسین ناظم ومتولی مدرسہ
مظاہر العلوم (وقف) سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداًومصلیاومسلما

امابعد:

عزیزی مفتی محمد شعیب اللہ خان مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، بنگلور ایک ہونہار عالم دین ہیں جو"شاب نشأفی عبادة اللّٰه"کا مصداق ہیں اللہ نے انہیں لکھنے پڑھنے کا پاکیزہ ذوق عطا فرمایا ہے جس کا ثبوت موصوف کے متعدد رسائل ہیں جو علمی حلقوں میں مقبول ہیں پیش نظر کتاب ''سفرآخرت کے اسلامی احکام'' اپنے عنوان سے متعلق مختلف آیات وہ روایات احکام ومسائل پر مشتمل معتبر کتاب کا نچوڑ اور لب لباب ہے جو تیسری بار مفید اضافوں کے بعد شائع ہورہی ہے ماشاءاللہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں کافی محنت کی ہے اور مختلف کتاب سے مراجعت میں اپنے علمی ذوق کا ثبوت پیش کیا ہے۔ انشاءاللہ یہ مجموعہ ان کی دیگر کتب کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز مولف کو اخلاص کے ساتھ مزید خدمت دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔ فقط

العبد مظفر حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش نامہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم : اما بعد

اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت رکھنے والا ادنی مسلمان بھی اس حقیقت سے بے بہرہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام زندگی کا ایک مکمل نظام اور دستور العمل ہے خواہ وہ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی ہو، پھر اجتماعی زندگی خواہ عائلی ہو یا قبائلی ہو یا شہری پھر ان زندگیوں کا کوئی بھی شعبہ اور پہلو ہو، اسلام ہر موقعہ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور وہ کائنات کی دائمی ضرورتوں کو حاوی اور تدبیرِ منزل سے لیکر سیاستِ مُدن تک کے ہر نظام کے اصولوں کا بہترین اور مرتب ہدایت نامہ ہے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر اسلام میں موت اور اس کے متعلقات کے بارے میں بھی مکمل ہدایات وتعلیمات کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اسلام نے موت کے متعلق ہمیں تفصیلی احکامات وہدایات سے آگہی بخشی ہے اور ہماری رہنمائی فرمائی ہے، مگر افسوس کہ آج......جیسا کہ اور بہت سارے شعبہ ہائے دین میں بدعات وخرافات کو داخل کیا گیا .....موت کے متعلق بھی بے شمار من گھڑت رسموں، غیر شرعی رواجوں اور مجرمانہ بدعتوں کو لوگوں نے اپنا کر اسلام کی تعلیمات وہدایات سے غفلت و جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ موت دراصل ''سفرِ آخرت کی ابتدائی کڑی ہے۔ اس موقعہ پر نہ صرف مرنے والے کو بلکہ اسکے دوست احباب اور رشتہ داروں اور دیکھنے والوں کو بھی سرتاپا خوف بن جانا چاہئے اور دنیا کی مادی وفانی چیزوں سے دوری اختیار کر لینا چاہئے اور اللہ ورسول کی خوشنودی کی خاطر سنت اور شریعت کی پیروی کو لازم کر لینا چاہئے تھا مگر بڑے دکھ

کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ لوگ اس کے بجائے بے ہودہ رسموں اور غیر شرعی دعوتوں کی فکر کرتے ہیں کسی کو چہلم کی فکر ہے، کسی پر برسی کا مسئلہ سوار ہے۔ میت کو سامنے رکھکر ان دعوتوں کے لیے تاریخیں طے کی جاتی ہیں، پھر اس کے لیے حلال اور حرام جو ملے، حاصل وفراہم کرتے ہیں۔ اور مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ دین اور اسلام کے نام پر کیا جاتا ہے۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر دل میں ایک کڑھن اور چبھن محسوس ہوتی تھی اور بار بار خیال آتا تھا کہ موت اور اس کے متعلقات کے احکام پر ایک رسالہ آسان و عام فہم انداز میں اختصار وایجاز کے ساتھ لکھا جائے تاکہ ان غیر شرعی رسومات کی اصلاح ہو اور اصل احکامِ شرع لوگوں کے سامنے آجائیں۔ اسی خیال سے تقریباً پانچ سال قبل ایک رسالہ احقر نے لکھا اور وہ شائع ہوگیا۔ مگر بعض مقامات پر کچھ تشنگی محسوس ہوتی تھی، لھذا اب ان مقامات پر نظرِ ثانی کی گئی اور احادیث کی تخریج کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، اور جہاں فقہاء کے اقوال ذکر کرنے کی ضرورت تھی وہاں فقہی کتابوں کے حوالے بھی پورے اہتمام سے درج کئے گئے ہیں۔

جب پہلی دفعہ یہ رسالہ شائع ہوا تو بہت سوچ بچار کے بعد اس کا نام ''سفرِ آخرت کے اسلامی احکام'' تجویز ہوا۔ آسان تو یہ تھا کہ موت کے احکام یا اس کے ہم معنے کوئی نام ہوتا مگر بار بار خیال آتا رہا کہ موت کے لفظ ہی سے لوگوں کو کراہت ونفرت ہے، لھذا مذکورہ نام تجویز کرنا پڑا، کیونکہ موت ''سفرِ آخرت'' ہی کا نام ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس رسالہ کو مقبول اور نافع بنائیں اور ہمیں ہر معاملہ میں شریعت کے احکامات پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) ۱۸ر صفر المظفر ۱۴۱۶ ھجری

موت کی یاد

موت ایک لازمی اور قطعی چیز ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، نیز اس کی یاد انسان کے لیے عبرت وموعظت کا سبب و باعث ہوتی ہے اس لیے احادیث میں موت کو یاد کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذّاتِ الْمَوْتِ.(۱)

(ترجمہ: لذتوں کو ختم کردینے والی چیز کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو یعنی موت کو)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ الْمَوْتِ فَمَا مِنْ عَبْدٍ اَکْثَرَ ذِکْرَهٗ اِلَّا اَحْیٰ اللّٰهُ قَلْبَهٗ وَهَوَّنَ عَلَیْهِ الْمَوْتَ.(۲)

(ترجمہ: موت کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ کوئی بندہ ایسا نہیں جس نے موت کو کثرت سے یاد کیا ہو مگر اللہ اس کے دل کو زندہ کردیتے ہیں اور اس پر موت کو آسان فرمادیتے ہیں)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لذات کو ختم کردینے والی چیز کو (یعنی موت کو) کثرت سے یاد کرتے، تو یہ بات تم کو ان چیزوں سے باز رکھتی جو میں (تم میں ہنسی مذاق کی) دیکھ رہا ہوں۔ لھذا الذات کو ختم کرنے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کرو۔ کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں گذرتا مگر وہ کہتی ہے کہ "انا بیت الغربة وانا بیت الوحدة وانا بیت التراب وانا بیت

---

(۱) ترمذی:۲۲۲۹، نسائی:۱۸۰۱، ابن ماجہ:۴۲۴۸، احمد:۷۵۸۴ (۲) بحوالہ کنز العمال:۴۲۰۹۹

الدود "(یعنی میں مسافرت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، اور میں کیڑوں کا گھر ہوں)۔(۱)

موت کی تیاری

اللہ نے انسان کو جو زندگی عطا فرمائی ہے وہ درحقیقت آخرت کی تیاری کے لیے ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" خُذْ مِنْ صِحَّتِکَ لِمَرْضِکَ وَ مِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ "(۲)

(ترجمہ: اپنی صحت میں سے اپنی بیماری کے لیے اور زندگی میں سے موت کے لیے حصہ لے لو)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"معنی یہ ہیں کہ اپنی صحت کے زمانے میں عبادت وطاعت میں مشغول رہو اس طرح کہ اگر بیماری کے دنوں میں اس میں تقصیر وکمی ہوجائے تو اس کے ذریعہ اس کی تلافی ہوجائے اور اپنی زندگی میں ایسے اعمال انجام دو جو مرنے کے بعد نفع دیں اور تندرستی کے دنوں میں عمل صالح میں جلدی کرو کیونکہ کبھی مرض و بیماری طاری ہوکر عمل سے روک دیتی ہے"۔(۳)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

" اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ "(۴)

(ترجمہ: عقل مند انسان وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد کی

---

(۱) ترمذی: ۲۳۸۴، کنز العمال: ۴۲۷۹۰ (۲) بخاری: ۶۴۱۶، ترمذی: ۲۲۵۵، ابن ماجہ: ۴۱۰۴، احمد: ۴۵۳۴ (۳) فتح الباری: ۱۱/۲۳۵ (۴) ترمذی: ۲۳۸۳، ابن ماجہ: ۴۲۵۰، احمد: ۱۶۵۰۱

زندگی کے لیے عمل کرتا رہے)

غرض اللہ ﷻ نے زندگی اسی لیے دی ہے کہ اس میں ایمان وعمل والا طریقہ اختیار کر کے سفرِ آخرت کا توشہ تیار کیا جائے، اور جو شخص یہ کام کرتا ہے وہی در اصل، حقیقی عقلمند ہے۔

موت کے قریب

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم کہ ہماری موت کب آئے گی؟ اس لیے موت کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے اور موت کو ہر وقت قریب ہی خیال کرنا چاہئے اور اس میں ہم سے غفلت ہو جاتی ہے تو موت کے داعی ہم کو آکر جگاتے بھی ہیں جیسے بیماریاں، ناگہانی حوادث وغیرہ، لہٰذا ایسے مواقع پر تو انسان کو سنبھل جانا چاہئے اور اس دستور العمل پر کاربند ہونا چاہئے۔

☆ موت سے نفرت نہ کرے، کیونکہ موت مومن کے لیے خیر و بھلائی ہے۔
نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے ایک موت کو، حالانکہ مومن کے لیے فتنہ سے بہتر ہے۔

دوسرے مال کی کمی کو، حالانکہ مال کی کمی (قیامت میں) حساب میں تخفیف کا سبب ہے۔(۱)

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ موت مومن کا تحفہ ہے۔(۲)

☆ اللہ تعالی سے ملاقات کی خواہش رکھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالی سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتے ہیں اور جو اللہ سے ملنا نہیں چاہتا اللہ تعالی بھی اس سے ملنا نہیں چاہتے۔(۳)

---

(۱) احمد: ۲۲۵۱۹ (۲) مشکوٰۃ: ۱۴۰، کنز العمال: ۴۲۱۰۳ (۳) بخاری: ۶۵۰۷، مسلم: ۴۸۴۴، ترمذی: ۹۸۶، نسائی: ۱۸۱۳، احمد: ۲۱۶۳۸، دارمی: ۲۶۳۸

☆اگر کوئی بات وصیت کے قابل ہو مثلاً اپنے ذمہ کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانت وغیرہ ہو تو اس کی وصیت کر دے یا لکھ کر رکھ دے۔ چناچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں کہ اس کے پاس کوئی بات وصیت کے قابل ہوتے ہوئے اس پر دوراتیں بھی گذر جائیں الاّ یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی ہو۔ (۱)

☆اللہ تعالی کی جناب میں حسنِ ظن (نیک گمان) رکھے، کہ وہ اپنی مغفرت و رحمت سے محروم نہ کریگا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو مرتے وقت اللہ سے نیک گمان رکھنا چاہیئے۔ (۲)

سکراتِ موت

جب انسان موت کی سختیوں اور سکرات کے عالم میں ہو تو خود اس کے لیے اور اس کے پاس موجود رشتہ داروں اور دوستوں کے لیے بعض احکام وآداب ہیں:

۞ مرنے والے کے لیے احکام:

مرنے والے انسان کے لیے یہ احکام وآداب ہیں:

وضو کرنا، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو کی حالت میں موت پانے والے کو شہید کا مرتبہ ملتا ہے۔ (۳)

مسواک کرنا، چناچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وفات سے ذرا پہلے موت کی سختی کے عالم میں مسواک کے لیے اشارہ فرمایا اور مسواک لے کر خوب اچھی طرح منہ کو صاف فرمایا۔ (۴)

---

(۱) بخاری:۲۷۳۸، مسلم:۴۳۰۷، ترمذی:۸۹۶، ابوداؤد:۲۴۷۸ نسائی:۳۵۵۷، ابن ماجہ:۲۶۹۰، احمد: ۴۲۳۹ ،مؤطا مالکؒ : ۱۲۵۶ (۲) مسلم :۵۱۲۵، ابو داؤد:۲۷۰۶ ، ابن ماجہ: ۴۱۵۷، احمد : ۱۳۶۱۱ (۳) مروزی، احتظاظ العفور فی احوال الموتیٰ والقبور:۳ (۴) بخاری:۴۴۳۸، احمد:۲۴۴۶۰

اللہ تعالے کی رحمت سے امید رکھنا اور اس کے عذاب سے خوف کھانا، حدیث میں فرمایا گیا کہ اس موقعہ پر امید اور خوف دونوں جس کے دل میں جمع ہوتے ہیں اللہ تعالے اس کو وہ چیز عطا کر دیتے ہیں جس کی اس نے امید رکھی اور اس چیز سے اسکو بچاتے ہیں جس کا اس نے خوف کیا۔ (۱)

۞ یہ دعا کرتا رہے:

اَللّٰهُمّ اَعِنِّیُ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ

(ترجمہ: اے اللہ موت کی پریشانیوں اور سختیوں میں میری مدد فرما)

حدیث میں ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ ایک پیالہ میں جس میں پانی تھا، ہاتھ ڈالکر اپنے چہرہ پر ملتے جاتے تھے اور یہ دعا پڑھتے جاتے تھے۔ (۲)

اسی طرح ایک اور دعا پڑھنا بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیُ وَ ارْحَمْنِیُ وَاَلْحِقْنِیُ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی. (۳)

کوشش کرے کہ اپنا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو، حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۴)

۞ حاضرین کے لیے احکام:

مرنے والے کے پاس جو لوگ، اس کے رشتہ داروں یا دوست احباب میں سے موجود ہوں ان کو ان باتوں کا اہتمام کرنا چاہئے:

جو مرنے کے عالم میں ہو اس کو قبلہ رخ لٹا دیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ قبلہ سے داہنی

---

(۱) ترمذی: ۹۰۵ (۲) ترمذی: ۹۰۰، ابن ماجہ: ۱۶۱۲، احمد: ۲۳۲۲۰، (۳) بخاری: ۴۴۴۰، مسلم: ۴۴۷۴، ترمذی: ۳۴۱۸، احمد: ۲۳۶۳۰، مالک: ۵۰۱، (۴) ابو داوٗد: ۲۷۰۹، احمد: ۲۱۰۲۴، مستدرکِ حاکم: ۱۲۹۹

طرف سر اور قبلہ سے بائیں طرف پیر کرکے، داہنی کروٹ لٹادیں تا کہ چہرہ قبلہ کی طرف رہے جیسا کہ کتبِ فقہ میں تصریح کی گئی ہے۔ (۱)

درمختار اور البحر الرائق میں تصریح کی گئی ہے کہ یہی طریقہ سنت سے مروی وثابت ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام حاکمؒ نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ:

حضرت ابو قتادہؓ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت براء بن معرور کے بارے میں پوچھا، حضراتِ صحابہ نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو چکا اور انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو قبلہ رخ کردیا جائے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے فطرت کو پالیا۔ پھر آپ گئے اور نماز (جنازہ) پڑھی"۔ (۲)

ابن حجرؒ نے درایہ میں نقل فرمایا ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کو قبلہ رخ لٹانا چاہئے اور اسکا طریقہ وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ قبلہ کی طرف پیر کرکے سر کو ذرا اونچا کردیا جائے تو یہ بھی جائز ہے مگر سنت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

مرنے والے کے پاس جاکر کلمات خیر ہی کہنا چاہئے کوئی غلط اور مایوسی کی بات نہ کہنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ مرنے والے کے پاس صرف خیر کی بات کہو، کیونکہ اس پر فرشتے آمین کہتے رہتے ہیں۔ (۳)

مرنے والے کے پاس بیٹھ کر زور زور سے **لاالٰہ الا اللّٰہ** کا ورد کریں تا کہ مرنے والے کو بھی شوق ہوکر وہ بھی پڑھنے لگے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تعلیم فرمائی گئی ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

---

(۱) الدر المختار مع حاشیۃ الشامی: ۱۸۹/۲، البحر الرائق: ۱۷۰/۲، الھدایۃ: ۱۵۸/۱ (۲) الدرایۃ مع الھدایۃ ۱۵۸/۱، نصب الرایۃ: ۲۵۹/۲، بیہقی فی السنن الکبری: ۲۳۵/۵ (۳) مسلم: ۱۵۲۷، ترمذی: ۸۹۹، نسائی: ۱۸۰۶، ابن ماجہ: ۱۴۳۷، احمد: ۲۵۲۸۹،

"لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "

(ترجمہ: اپنے مرنے والوں کو لاا لہٰ الا اللّٰہ کی تلقین کرو) (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ مرنے والوں کو لا الٰہ الا اللّٰہ کی تلقین کرو کیونکہ وہ زبان پر ہلکا وآسان، ترازو میں وزنی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ وہ کلمہ خطایا اور گناہوں کو اس طرح منہدم کر دیتا ہے جیسے سیلاب عمارتوں کو منہدم کر دیتا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ پھر وہ کلمہ زندوں کے لیے کیسا ہے؟ فرمایا کہ زندوں کے لیے وہ اور زیادہ گناہوں کو منہدم کرنے والا ہے۔ (۲)

تنبیہ اول: یاد رکھنا چاہیئے کہ مرنے والے آدمی کے پاس کلمۂ طیبہ پڑھنے کا حکم ہے لیکن اس کا حکم نہیں کہ مرنے والے کو مخاطب بنا کر، اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم کیا جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ موت کی سختیوں اور پریشانیوں میں تنگ آکر انکار کر دے۔ چنانچہ دیلمیؒ نے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والوں کو لاالٰہ الا اللّٰہ کی تلقین کرو۔

مگر ان کو تنگ نہ کرو کیونکہ وہ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں۔ (۳)

تنبیہِ ثانی: تلقین میں صرف لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھنا چاہیئے یا اس کے ساتھ **محمد رسول اللّٰہ** بھی پڑھنا چاہیئے؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں اکثر علماء نے صرف لاالٰہ الا اللّٰہ پڑھنے کو لکھا ہے۔مگر بعض علماء نے اس کے ساتھ **محمد رسول اللہ** کو بھی ملا لینے کی گنجائش دی ہے۔ (۴)

مرنے والے آدمی کے پاس سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی جائے کیونکہ حدیث

---

(۱) مسلم: ۱۵۲۳، ترمذی: ۸۹۸، نسائی: ۱۸۰۳ ابو داؤد: ۲۷۱۰، ابن ماجہ: ۱۴۳۵، احمد: ۱۰۵۷۰، (۲) کنز العمال: ۴۲۱۹۶ (۳) کنز العمال: ۲۱۹۶ (۴) تفصیل کے لیے دیکھو درمختار مع ردالمختار: ۱۹۰/۲

میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والوں کے پاس سورۂ یٰسٓ پڑھو۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس میت کے پاس سورۂ یٰسٓ پڑھا جاتا ہے اس پر اللہ تعالی آسانی فرماتے ہیں۔ (۲)

حافظ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں ابن حبان سے پہلی حدیث کا صحیح ہونا نقل کیا ہے۔ (۳)

مرنے والے کو اس کی نیکیاں اور اچھائیاں یاد دلائیں، حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مرنے والے آدمی کو اس کی نیکیاں یاد دلائیں تا کہ وہ اللہ تعالی سے حسنِ ظن رکھے۔ (۴)

جب غرغرہ ہونے لگے تو تلقین بند کر دیں کیونکہ غرغرہ کے وقت کچھ پڑھا نہیں جا سکتا۔ (۵)

مناسب ہے کہ حالتِ نزع میں اس کے پاس اس کے اہل خاندان میں سے نیک اور متقی اور اس سے زیادہ تعلق رکھنے اور اس کے حالات سے زیادہ واقفیت رکھنے والے لوگ حاضر ہوں کیونکہ اس وقت اللہ کے مقدس فرشتے وہاں آتے ہیں، اور اس لیے کہ اسکو وہ لوگ توبہ کی طرف اور اللہ کی طرف متوجہ کر سکیں۔ (۶)

مرنے والے آدمی کے پاس خوشبو جلائی یا رکھی جائے، نیز اس کو لٹانے کے لیے بھی پاک کپڑے استعمال کئے جائیں۔ (۷)

---

(۱) ابو داوٗد: ۲۷۱۴، ابن ماجہ: ۱۴۳۵، احمد: ۱۹۴۲۷ (۲) کنز العمال: ۴۴۲۱۷۹ (۳) بلوغ المرام: ۳۸ (۴) کنز العمال: ۴۲۸۰۱ (۵) شامی ۱۹۰/۲ (۶) عالمگیری: ۱۵۷/۱، مقدماتِ ابنِ رشد مالکیؒ مع المدونۃ: ۱۶۶/۱، المغنی لابن قدامہ: ۲۸۵/۲ (۷) عالمگیری: ۱۵۷/۱، مقدمات رشد مالکیؒ: ۱۶۶/۱

سکرات اور غیر شرعی رسومات:

سکرات کے موقعہ پر جو آداب واحکام، شریعت میں ہیں ان کو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے۔ بعض جگہ پر بعض غیر شرعی رسومات کی پابندی یا ارتکاب کیا جاتا ہے ان سے بچنا چاہیئے۔ مثلاً بعض لوگ مرنے والے کے پاس بیٹھ کر، ذکر وتلاوت کے بجائے دنیوی باتیں کرتے ہیں، یہ سخت بری بات ہے۔ بعض لوگ تلقین کے بجائے، جس کا حاصل کلمۂ طیبہ کا ورد ہے، اُس پر زور دیتے ہیں اور اس کو پڑھنے کا حکم کرتے ہیں حالانکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ بعض لوگ خصوصًا خواتین، مرنے والے کے سامنے دنیوی مسائل، بیوی، بچوں کی پریشانیاں بیان کر کے، اس کو ان فانی و مادی چیزوں کی طرف مائل کر دیتی ہیں، اس کے بچوں کو پیار کرنے کہتی ہیں، بچوں کو اس کے سینہ پر ڈال دیتی ہیں، حالانکہ یہ وقت ایسا ہے کہ اس میں انسان کو اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دنیا سے دور اور بے نیاز ہونے کی شدید ترین ضرورت ہے مگر افسوس کہ لوگوں کو مرنے والے کی تو کوئی فکر نہیں ہوتی، زندوں کی فکر ہوتی ہے۔ لھٰذا یاد رکھنا چاہیئے کہ اس وقت مرنے والے آدمی کو اللہ کیطرف متوجہ کرنے اور ذکر کی تلقین کرنے میں مصروف ہونا چاہیئے۔ چناچہ علماء نے لکھا ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے لوگوں میں سے اہل صلاح وتقوی رہیں اور اس کو ذکر وتوبہ کی یاددہانی کریں۔ (۱)

موت ہونے کے بعد

جب موت واقع ہو جائے تو:

تمام حاضرین اور غائبین جن کو موت کی خبر پہنچے [اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ] پڑھیں حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی مصیبت پہنچنے پر [اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ]

(۱) المغنی: ۲/۲۸۵

پڑھتا ہے اور اللہ سے دعاء کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل عطا فرما تو اللہ تعالی اس کو اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔(۱)

۞ میت کے حق میں درجات کی بلندی، مغفرت اور قبر میں کشادگی کے لیے دعاء کریں۔حضرت ابوسلمہ ؓ کا انتقال ہوا تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ:

''اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما دے اور ان کے درجات کو بلند کردے کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں اور ان کے پسماندگان (بیوی، بچوں) کے حق میں تو کارساز بن جا، اور اے رب العالمین! ہماری اور ان کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو کشادہ و منور فرما دے۔(۲)

میت کی آنکھیں بند کردی جائیں اور منہ کو کسی پاک کپڑے سے باندھ دیا جائے اس طرح کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے لیکر سر پر لے جائیں تا کہ منہ کھل نہ جائے، پیٹ پر کوئی وزنی چیز رکھ دی جائے تا کہ پیٹ پھول نہ جائے اور تمام اعضاء کو درست کر دیا جائے۔(۳)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میت کی آنکھیں بند کردو کیونکہ اس کی نظر روح کے پیچھے جاتی ہے۔(۴)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ کا جب انتقال ہوا تو اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے اور ان کی آنکھوں کو کھلا ہوا دیکھا تو ان کو بند فرمایا۔(۵)

میت کے کپڑے نکال دئے جائیں اور اس پر چادر ڈالدی جائے جیسا کہ

(۱) مسلم: ۱۵۲۵، ابوداؤد: ۲۷۱۲، احمد: ۲۵۴۱۷، مالک: ۴۹۸ (۲) مسلم: ۱۵۲۸، ابوداؤد: ۲۷۱۱، احمد: ۲۵۳۳۲ (۳) ھدایہ: ۱/۱۵۸، ردالمحتار: ۱۹۳ البحر الرائق: ۲/۱۷۱، المغنی: ۱/۲۸۵، شرح المھذب: ۵/۱۰۹ (۴) ابن ماجہ: ۱۴۴۵، احمد: ۱۶۵۱۳ (۵) مسلم: ۱۵۲۸، ابن ماجہ: ۱۴۴۴، ابوداود: ۲۷۱۱، احمد: ۲۵۳۳۲

حدیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے جسدِ مبارک پر (روئی یا کتان کی بنی ہوئی) چادر ڈالی گئی تھی۔[۱]

میت کی آنکھوں کو بند کرنے والا یہ دعا پڑھ لے تو اچھا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَ سَهِّلْ عَلَيْهِ وَ اَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَ اجْعَلْ مَاخَرَجَ اِلَيْهِ خَيْراً مِمَّا خَرَجَ عَنْهُ. [۲]

یہ دعا کسی حدیث میں نظر سے نہیں گذری، البتہ امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کبری میں حضرت بکر بن عبد اللہؒ جو تابعین میں سے ایک جلیل القدر فقیہ گذرے ہیں ان سے اتنا نقل کیا ہے کہ جب میت کی آنکھیں بند کرو تو یہ کہو "**بسم اللّٰه و علی ملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم**"[۳]

جس پلنگ پر میت کو رکھنا ہو، اسکو خوشبو سے تین دفعہ دھونی دیکر اس پر اسکو رکھا جائے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے جیسا کہ موت سے پہلے رکھا گیا تھا، البحر الرائق میں ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک اس طرح رکھنا چاہئے جیسے بیماری کی حالت میں نماز پڑھنے والا لیٹتا ہے یعنی پیر قبلہ رخ کر کے سر کو اونچا کر دیا جائے، مگر بعض کا مختار قول یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر لٹائیں اور قبلہ سے داہنی طرف سر اور بائیں طرف پیر ہوں جیسے قبر میں رکھتے ہیں، لیکن اگر اس طرح لٹانے میں کوئی مشکل پیش آئے تو جس طرح سہولت ہو اس طرح لٹایا جا سکتا ہے۔[۴]

---

(۱) بخاری: ۵۸۱۴، مسلم: ۱۵۶۶، ابوداؤد: ۲۸۱۳، احمد: ۲۳۴۴۰، (۲) البحر الرائق: ۲/۱۷۱، در مختار مع شامی: ۲/۱۹۳، نور الایضاح: ۱۲۶ (۳) السنن الکبری: ۵/۲۳۶، امام نوویؒ نے شرح المھذب: ۵/۱۱۰ میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۴) البحر الرائق: ۲/۱۷۱، اسی طرح عالمگیری میں بھی ہے: ۱/۱۵۸

حیض و نفاس والی عورت اور ناپاک لوگ جن پر غسل فرض ہے وہ وہاں سے باہر چلے جائیں۔امام احمد نے فرمایا کہ حائضہ اور جنبی (جس پر غسل واجب ہو) وہ میت کے قریب نہ ہو۔(۱)

نیز تلاوتِ قرآن بند کردیں جب تک کہ اس کو غسل نہ دیدیا جائے۔ ہاں میت سے دور بیٹھکر پڑھنا چاہیں تو اس کی اجازت ہے۔ چناچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر میت سے دور (مثلاً دوسرے کمرے میں) بیٹھکر تلاوت کی جائے تو مکروہ نہیں، اسی طرح اگر میت کو پوری طرح کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا ہو تو وہاں بیٹھکر تلاوت کرنا درست ہے۔(۲)

میت کے متعلقین اور بالخصوص وارثین کے لیے مستحب ہے کہ میت پر اگر کسی کا قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کی فکر کریں۔ یہ میت کے حق میں بہت ہی فائدہ مند ہوگا۔

کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا نفس اس کے قرض کی وجہ سے معلق (لٹکا ہوا) رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی ادائیگی ہوجائے۔(۳)

اور احمد و دارمی کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ مومن کا نفس معلق رہتا ہے جب تک کہ اس پر قرض ہو۔(۴)

متعلقین اور دوست احباب کو چاہئے کہ صبر وضبط سے کام لیں۔ہاں اگر آنکھوں میں خود بخود آنسو جاری ہوجائیں تو مضائقہ نہیں اور نہ صبر کے خلاف ہے جیسا کہ آگے چلکر ہم اسکی وضاحت کریں گے۔ایسے مواقع پر صبر کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور صبر کے معنے یہ ہیں کہ زبان پر اللہ کی شکایت نہ آئے اور دل سے اللہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۱۷۱، درمختار مع ردالمحتار: ۲/۱۹۳، المغنی: ۲/۲۸۶ (۲) شامی ۲/۱۹۴

(۳) ترمذی: ۹۹۹، ابن ماجہ: ۲۴۰۴، (۴) احمد: ۹۳۰۲، دارمی: ۲۴۷۸،

فائدہ : متعدد احادیث میں اپنے عزیز وقریب کے مرنے پر صبر کے فضائل وارد ہوئے ہیں:

❁ ایک حدیث میں حضرت عمرو ابن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى لِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ اِذَا ذَهَبَ بِصَفِيِّهٖ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَصَبَرَ وَ احْتَسَبَ وَقَالَ مَا اُمِرَ بِهٖ ، بِثَوَابٍ دُوْنَ الْجَنَّة". (۱)

(ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالی اس بندۂ مؤمن کے لیے جنت سے کم پر راضی نہیں ہوتا جس کا کوئی رشتہ دار انتقال کر جائے اور وہ اسپر صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے اور وہی بات زبان سے کہے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے)۔

ایک حدیث میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

[مَامِنَ النَّاسِ مِنْ مُسْلِمٍ يُتَوَفّٰى لَهٗ ثَلَاثٌ لَمْ يَبْلُغُوْاالْحِنْثَا اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِيَّاهُمْ] (۲)

(ترجمہ: انسانوں میں سے جس مسلمان کی تین اولاد جو بلوغ کی عمر کو نہ پہنچی ہو، نہیں مرتی مگر اللہ تعالی ان بچوں پر اپنی رحمت کی بنا پر اس آدمی کو جنت میں داخل فرماتے ہیں)

اور حضرت ابوھریرہؓ کی روایت میں یہی مضمون آیا ہے اور اس میں مزید یہ اضافہ بھی ہے کہ ان مرحوم بچوں سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، مگر وہ بچے اللہ تعالی سے عرض کریں گے کہ جب تک ہمارے ماں باپ جنت میں داخل نہ ہوں گے ہم نہیں جائیں گے، اسپر اللہ تعالی کی جانب سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہارے ماں باپ دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (۳)

(۱) نسائی: ۱۸۴۸ (۲) بخاری: ۱۲۴۹، نسائی: ۱۸۴۹، ابن ماجہ: ۱۵۹۴، احمد: ۱۲۰۷۷

(۳) نسائی: ۱۸۵۳، احمد: ۱۰۲۱۳

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ ایک بچہ تھا ، اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اس بچہ پر خوف معلوم ہوتا ہے اور اس سے پہلے میں تین بچوں کو بھیج چکی ہوں (یعنی میرے تین بچے مر چکے ہیں، کہیں یہ بھی مر نہ جائے) اس پر حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿لَقَدِ احۡتَظَرۡتِ بِحِظَارٍ شَدِيۡدٍ مِنَ النَّارِ﴾ (۱)

(ترجمہ: تو نے تو دوزخ سے بڑی سخت باڑھ بنالی ہے)

۞ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ عورتوں میں وعظ فرمایا، اس میں آپ نے یہ بھی کہا کہ جس عورت کے تین بچے مر جائیں، تو وہ بچے اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جائیں گے، ایک عورت نے عرض کیا کہ اگر کسی کے صرف دو بچے مریں تو؟ آپ نے فرمایا کہ دو مریں تب بھی (وہ دو بچے اس کے لیے دوزخ سے آڑ اور حجاب بنیں گے) (۲)

اس قسم کی متعدد احادیث کتبِ حدیث میں مروی ہیں، جن میں سے بعض میں مطلق اس بات کا ذکر ہے کہ دو یا تین بچے مرنے پر ماں باپ کو جنت میں داخلہ اور دوزخ سے نجات ملے گی اور بعض میں صبر و احتساب (یعنی ثواب کی نیت کرنے) کی قید بھی مذکور ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ جن احادیث میں یہ قید مذکور نہیں ہے ان کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا۔ (۳)

خلاصہ یہ کہ صبر و احتساب پر یہ فضیلت وارد ہے۔ لہٰذا کسی کے مرنے پر، اور بالخصوص اولاد کے مرنے پر خوب خوب ضبط و صبر سے کام لینا چاہئے۔

(۱) مسلم: ۴۷۷۰، نسائی: ۱۸۵۴، احمد: ۹۰۶۸، (۲) بخاری: ۱۲۵۰، مسلم: ۴۷۶۸، احمد: ۱۰۸۶۹
(۳) فتح الباری ۱۱۹/۳

غیر شرعی رسومات:

موت ہونے کے بعد معاشرے میں بہت سی غیر شرعی رسمیں رواج پا گئی ہیں جن سے بچنا مسلمانوں کے لیے لازم وضروری ہے۔ یہاں ان اغلاط کا ذکر کیا جاتا ہے:

نوحہ کرنا: بہت سے لوگ، اور خاص طور پر عورتیں اپنے رشتہ داروں کی موت پر چیختی چلاتی ہیں اور اس مرنے والے کا نام پکار پکار کر روتی ہیں، اس کو عربی میں نوحہ کہا جاتا ہے۔ اسلام میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے یعنی چیخنے چلانے کو جاہلیت کی باتوں میں شمار کیا ہے۔ (۱)

اور اسی حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نوحہ کرنے والی عورت کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور اس پر قطران (جو کولتار کے مانند ایک چیز ہوتی ہے) کے بنے ہوئے کپڑے ہونگے اور آگ کی لپٹوں کی قمیص ہوگی۔ (۲)

نیز حضرت رسول اللہ ﷺ جب عورتوں کو بیعت فرماتے تھے تو ان سے اس بات کا بھی اقرار کراتے تھے کہ نوحہ نہیں کریں گی۔ (۳)

ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہم کی شہادت کی خبر آئی تو حضرت نبی کریم ﷺ پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے، اسی دوران ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اسنے کہا کہ حضرت جعفرؓ کی عورتیں رو پیٹ رہی ہیں۔

---

(۱) مسلم: ۱۵۵۰، ترمذی: ۹۲۲، ابن ماجہ: ۱۵۷۰، احمد: ۲۱۸۲۹، (۲) مسلم: ۱۵۵۰، ابن ماجہ: ۱۵۷۰، احمد: ۲۱۸۲۹، (۳) بخاری: ۱۳۰۶، مسلم: ۱۵۵۲، نسائی ۴۱۰۹، احمد: ۱۹۸۶۱

آپ ﷺ نے اس آدمی کو حکم دیا کہ وہ جا کر ان عورتوں کو اس سے منع کرے، وہ شخص گیا اور واپس آیا اور عرض کیا کہ میں نے ان عورتوں کو منع کیا، مگر وہ مانتی نہیں ہیں۔ آپ نے دوبارہ اس کو حکم دیا کہ وہ ان عورتوں کو جا کر منع کرے، وہ شخص پھر گیا اور واپس آ کر عرض کیا کہ وہ عورتیں مانتی نہیں ہیں اور مجھ پر وَاللہ! وہ غالب ہو رہی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا خیال ہے کہ اس پر نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا کہ ان عورتوں کے منہ میں مٹی ڈال دے۔ (۱)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میت پر چیخ پکار کر رونے والی اور (راضی ہو کر) اسکو سننے والی دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ اسلام میں چیخ پکار کر رونا، سخت ممنوع ہے اور اس پر شدید وعید آئی ہے، لہٰذا اس جاہلی طریقہ سے مسلمانوں کو پوری طرح پرہیز کرنا چاہئے۔

البتہ دل بھر کر خود بخود جو رونا آ جائے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ و حرج نہیں کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا رونا یہ فطری بات اور غیر اختیاری بات ہے اس کی شرع میں اجازت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کی خدمت میں قاصد بھیجا کہ آپ کو خبر دے کہ ان کا بچہ مرنے والا ہے، آپ نے قاصد سے فرمایا کہ ان کو جا کر کہہ دو کہ اللہ نے جو دیا، وہ بھی اسی کا ہے اور جو اس نے لے لیا وہ بھی اسی کا ہے لھذا صبر کریں اور ثواب کی امید رکھیں۔ قاصد پھر آیا اور اس نے عرض کیا کہ وہ قسم دے رہی ہیں کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔

آپ اٹھے اور ان کے مکان کی طرف چلے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن

---

(۱) بخاری: ۱۲۹۹، مسلم: ۱۵۵۱، نسائی: ۱۸۲۴، احمد: ۲۳۱۷۷ (۲) ابوداؤد: ۲۷۲۱، احمد: ۱۱۱۹۲

عبادہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے، جب وہاں پہنچے تو آپ کے پاس وہ بچہ لایا گیا اور اس کی سانس اُکھڑ رہی تھی، آپ نے اس کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اس پر حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ (آنسو) کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ

﴿هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَااللّٰه فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ وَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰه مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ﴾[(۱)]

(یہ آنسو رحمت ہے جو اللہ تعالی اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، اور اللہ تعالی صرف رحم کرنے والوں ہی پر رحم کرتا ہے)

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہؓ کے مرض الوفات میں ان کو غشی کی حالت میں دیکھکر آپ رونے لگے اور جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے وہ بھی رونے لگے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی آنسو کے بہنے اور دل کے غمگین ہونے سے عذاب نہیں دیتا بلکہ اس (زبان) کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے یہ کہکر آپ نے اپنی زبانِ مبارک کی جانب اشارہ فرمایا۔[(۲)]

نیز جب آپ علیہ السلام کے صاحبزادہ حضرت ابراھیمؑ کا انتقال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی روتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ رحم کی وجہ سے ہے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون﴾[(۳)]

(۱) بخاری: ۱۲۰۴، مسلم: ۱۵۳۱، نسائی: ۱۸۴۵، ابوداؤد: ۲۷۱۸، احمد: ۲۰۷۷۷، ابن ماجہ: ۱۵۷۷، (۲) بخاری: ۱۲۲۱، مسلم: ۱۵۲۲ (۳) بخاری: ۱۲۰۲، مسلم: ۴۲۷۹، ابوداؤد: ۲۷۱۹، احمد: ۱۲۵۴۴

(ترجمہ: بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے لیکن ہم نہیں کہتے مگر صرف وہ بات جو ہمارے رب کو پسند ہے۔ اے ابراھیم! تیری جدائی سے ہم غمگین ہیں)

حاصل یہ کہ طبعی غم اور غیر اختیاری رونا، الگ چیز ہے اور جائز ہے اور انسانی ہمدردی کا اور فطرت کا تقاضا بھی ہے، اور چیخنا، پکارنا، چلانا حرام اور ناجائز ہے

چہرہ پیٹنا یا نوچنا:

بعض لوگ غم کے اظہار کے لیے چہرہ پر مار لیتے یا چہرہ کو نوچتے ہیں۔ حدیث میں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چناچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے گالوں پر مارے اور اپنا گریبان پھاڑے، اور جاہلی رسوم کو اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (۱)

کپڑے اور گریبان پھاڑنا:

بعض لوگوں میں یہ رسم ہے کہ اظہارِ غم کے لیے اپنے کپڑے پھاڑ لیتے ہیں۔ یہ بھی جیسا کہ اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا، ممنوع ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو (اظہارِ غم کے لیے) سر مونڈے اور کپڑے پھاڑے اور چیخے چلائے۔ (۲)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس عورت سے بری ہوں جو چیخنے والی، سر مونڈنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی ہو۔ (۳)

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اس

---

(۱) بخاری : ۱۲۹۴، مسلم : ۱۴۸ ، ترمذی : ۹۲۰ ، نسائی : ۱۸۳۷، ابن ماجہ: ۱۵۷۳ ، احمد: ۳۴۷۶، (۲) نسائی: ۱۸۴۰، ابوداؤد: ۲۷۲۳، ابن ماجہ: ۱۵۷۵، احمد: ۱۸۸۵۹ (۳) مسلم: ۱۴۹، نسائی: ۱۸۳۸، احمد: ۱۸۷۲۶

عورت پر جو اپنے چہرہ کو نوچنے والی، اپنے گریبان کو پھاڑنے والی اور خرابی اور موت کو پکارنے والی ہو۔ (۱)

ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو سر مونڈے، کپڑے پھاڑے اور چیخ کر روئے۔ (۲)

ان احادیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اظہارِ غم کے لیے کپڑے پھاڑنا اور گریبان چاک کرنا غیر اسلامی حرکت ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اظہارِ غم کے لیے بال نوچنا، سر مونڈنا، اور خرابی و موت کو پکارنا وغیرہ حرکات بھی غیر اسلامی اور ممنوع ہیں مگر افسوس کہ بعض گھروں میں یہ ساری جاہلانہ رسمیں اور حرکات رائج ہیں۔ اھلِ اسلام کو چاہئے کہ ان تمام غیر اسلامی رسومات و حرکات سے دور رہیں۔

چوڑیاں پھوڑنا یا توڑنا:

عوام میں یہ بھی دستور ہے کہ جب کسی کا شوہر مر جاتا ہے تو اس کی عورت کی چوڑیاں و بنگڑیاں دوسری عورتیں یا وہ خود پھوڑ دیتی ہے، یہ بھی ایک فضول اور غیر اسلامی رسم ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے موقعہ پر عورت کو صرف یہ حکم ہے کہ وہ زیب و زینت کی چیزیں استعمال نہ کرے مگر ان چیزوں کو توڑنے یا پھوڑنے کا حکم و اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ مال کی اضاعت ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہارے لیے تین باتیں ناپسند کی ہیں ایک قیل و قال یعنی بے فائدہ بحث و مباحثہ، دوسرے سوالات کی کثرت، تیسرے مال کی اضاعت، یعنی مال کو ضائع کرنا۔ (۳)

---

(۱) ابن ماجہ: ۱۵۷۴، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (فتح الباری ۱۶۶/۳) (۲) احمد: ۱۸۸۰۰، نسائی: ۱۸۴۴ (۳) بخاری: ۲۴۰۸، مسلم: ۳۲۳۷، احمد: ۱۷۴۴۵، دارمی: ۲۶۳۳

نیز اس رسم میں غیر قوموں (ہندوؤں) سے مشابہت بھی ہے کیونکہ ہندولوگوں میں یہ رسم ہے کہ کسی عورت کا شوہر جب انتقال کرجاتا ہے تو اس کی چوڑیاں توڑ دی جاتی ہیں یا وہ عورت خود ہی اپنی چوڑیاں توڑ پھوڑ دیتی ہے۔اور ظاہر ہے کہ غیروں کی رسموں کو اختیار کرنا ناجائز ہے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ :

﴿ من تشبه بقوم فهو منهم ﴾ (۱)

(ترجمہ: جوکسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اسی قوم میں سے شمار ہوگا)

اور دوسری حدیث میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے کہ:

﴿ليس منا من تشبه بغيرنا ﴾ (۲)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ جوشخص غیر قوموں سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں بلکہ وہ انہی میں شمار کیا جائے گا۔

گیہوں یا نمک کی تقسیم:

اکثر لوگوں میں رواج ہے کہ گھر میں کسی کا انتقال ہوتے ہی نمک یا گیہوں تقسیم کرتے ہیں اور بعض جگہ دیکھا گیا کہ شربت پلاتے ہیں۔ یہ کام اگر ثواب کی نیت سے کریں تو اگر چہ فی نفسہ جائز ہے مگر ظاہر ہے جس کام کا شریعت میں حکم نہ ہو اور وہ کام شرع نے مقرر نہ کیا ہو اس کو اپنی طرف سے مقرر کرلینا دین میں اضافہ اور بدعت ہے رہا ثواب تو وہ روپیہ، پیسہ، چاول، آٹا، کپڑا وغیرہ کسی بھی چیز کے دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔نمک یا گیہوں کی تخصیص کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔اس لیے اس رسم کو بھی ترک کرنا چاہیئے ۔

(۱)ابوداؤد:۳۵۱۲،احمد: ۴۸۶۸ (۲) ترمذی:۲۶۱۹ قال الترمذی:ھٰذا حدیث ضعیف

موت کی خبر یا اعلان

موت ہونے کے بعد دوست، احباب، اور رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو اس کی اطلاع وخبر دینا چاہئے تاکہ لوگ اس کا جو حق ان پر ہے یعنی اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے حق میں دعا کرنا، اس کو ادا کر سکیں۔ (۱)

حضرات صحابہ کا معمول بھی حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یہی تھا، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم میں سے کسی کے انتقال کا وقت ہوتا تو ہم آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دیتے، آپ تشریف لاتے اور اس کے حق میں استغفار کرتے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوجاتا تو آپ ﷺ واپس ہوجاتے، اور کبھی آپ اور آپکے ساتھی تدفین تک تشریف رکھتے یہاں تک کہ تدفین ہوجاتی، مگر اس میں کبھی بہت تاخیر ہوجاتی تو بعض صحابہ نے بعض سے کہا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو پہلے اطلاع نہ دیں اور انتقال کے بعد اطلاع دیں تو آپ ﷺ پر اس میں مشقت اور پریشانی نہ ہوگی، چنانچہ پھر ہم ایسا ہی کرنے لگے اور آپ ﷺ کو کسی کے انتقال کے بعد خبر دیجاتی اور آپ تشریف لاتے اور اس کی نماز جنازہ پڑھتے اور کبھی واپس ہوجاتے اور کبھی تدفین تک تشریف رکھتے، ایک زمانہ تک ہم ایسا ہی کرتے رہے، پھر ہم نے کہا کہ کیوں نہ ہم آپ کے پاس ہی جنازہ اٹھا کر لے جائیں کہ اس میں آپ ﷺ کے لیے زیادہ راحت ہے چنانچہ ہم ایسا ہی کرنے لگے اور یہی رواج آخر تک رہا۔ (۲)

احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس کو پسند فرماتے کہ موت ہونے پر اس کی اطلاع دیجائے، چنانچہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کو راتوں رات دفن کر دیا گیا، صبح اس کا ذکر ہوا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم کو کس بات نے مجھے

(۱) درمختار مع شامی ۱۹۳/۲، عالمگیری: ۱۵۷/۱، الجوہرۃ النیرۃ: ۱۴۷/۱ (۲) سنن البیہقی: ۲۸۲/۷

اس کی خبر دینے سے منع کیا؟ (۱)

اسی طرح ایک آدمی یا عورت تھی جو مسجد کی خدمت کرتی تھی اس کا انتقال ہوا تو صحابہ نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھ کر اس کو دفن کر دیا جب آپ ﷺ کو بعد میں اطلاع کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں کی؟ (۲)

بہر حال موت کی خبر و اطلاع کرنا پسندیدہ ہے کہ لوگ اس کے حق میں دعا کریں گے اور اس کی نماز جنازہ میں شرکت کریں گے جیسا کہ بدائع اور شامی میں ہے اور اگر مرنے والا کوئی مقتدا عالم و بزرگ ہے تو اس کی خبر بازاروں اور سڑکوں پر بھی دی جا سکتی ہے۔ (۳)

ایک جاہلی رسم:

یہ ہوا موت کی خبر کا مسئلہ، مگر موت کی خبر کی ایک اور صورت ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور وہ جاہلیت کی رسم ہے وہ یہ کہ کوئی شخص گھروں کے دروازوں پر اور بازاروں میں موت کا اعلان کرتا پھرتا تھا اور زور زور سے چیختا تھا۔ (۴)

شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے حدیث میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نعی یعنی اعلانِ موت سے منع کیا ہے۔ (۵)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ ایاکم و النعی فان النعی من عمل الجاهلیة ﴾ (٦)

(ترجمہ: تم موت کے اعلان سے بچو کیونکہ یہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہے)

یہاں یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ موت کی خبر دینا تو سنت ہے مگر اس کا اعلان

---

(۱) بخاری: ۱۲۴۷، ابن ماجہ: ۱۵۱۹، سنن کبری بیہقی: ۱۱۱۷ (۲) بخاری: ۱۵۸۸، مسلم: ۴۵۸، ابوداؤد: ۲۷۸۸، ابن ماجہ: ۱۵۱٦، احمد: ۸۴۸۰، (۳) بدائع الصنائع: ۲/۲۲، شامی ۲/۱۹۳، (۴) فتح الباری: ۳/۱۱٦ (۵) ترمذی: ۹۰۷، ابن ماجہ: ۱۴٦۵، احمد: ۲۲۳۵۸، (٦) ترمذی: ۹۰٦

عام لوگوں کے لیے جائز نہیں اور خبر و اعلان کا فرق یہ ہے کہ خبر تو کسی شخص یا چند افراد تک پہنچ کر اس کو بتانا ہے اور اعلان یہ ہے کہ کسی جگہ سے آدمی اذان کی طرح موت کی خبر کا پروپگنڈا کرے۔ امام مالکؒ نے اسی لیے فرمایا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ موت کے اعلان کے لیے مساجد کے دروازوں پر زور زور سے چیخے۔ ہاں اگر مساجد میں لوگوں کے حلقوں کے پاس جا کر اسکی خبر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

اسی سے معلوم ہو گیا کہ بعض جگہ جو مساجد کے میناروں سے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ عام لوگوں کے انتقال کی خبر دی جاتی ہے، یہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ اعلانِ موت ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر مساجد میں اطلاع کی خاطر نمازیوں کے درمیان بات پہنچا دی جائے تو درست ہے۔

بعض لوگ موت کی خبر اخباروں میں شائع کراتے ہیں اور میت کی تصویر بھی شائع کراتے ہیں۔ خبر کسی ضرورت سے اخبار میں دیں، مثلاً کوئی معروف شخصیت ہے اس کی موت کی اطلاع پہنچانے کیلیے یا دعا کی درخواست کے لیے، تو جائز ہے مگر تفاخر کے لیے ہو تو درست نہیں، پھر تصویر شائع کرنا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں کیونکہ اسلام میں تصویر حرام و ناجائز ہے اس لیے ان باتوں سے بچنا چاہئے۔

تعزیتِ اقرباء و احباء

جب کوئی مر جائے تو اس کے گھر والوں اور اس سے تعلق خاطر رکھنے والوں کو تسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا اور ان کے حق میں دعاءِ خیر کرنا، بڑی عبادت اور مسلمان کا حق ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

(۱) سنن کبریٰ ۴۴۹/۵

﴿ ما من مؤ من یعزی اخاہ بمصیبة الا کساہ اللّٰہ سبحانہ
من حلل الکرامة یو م القیامة ﴾ (۱)

(ترجمہ: جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی اس کی مصیبت میں تعزیت اور تسلی کرتا ہے، اللہ تعالی اس کو قیامت کے دن کرامت کے کپڑے پہنائے گا)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تسلی کرتا ہے اس کو اسی کی طرح اجر ملتا ہے۔ (۲)

تعزیت کے شرعی احکام :

(۱) تعزیت و تسلی کیسے کی جاتی ہے اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ یہ احادیث سے معلوم ہوگا:

تعزیت ان الفاظ میں کریں، جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

"جو اللہ نے لے لیا وہ بھی اللہ کا ہے اور جو اس نے دیا وہ بھی اللہ کا ہے اور اللہ کے پاس ہر چیز ایک مقررہ مدت تک کے لیے ہے لہٰذا تم صبر کرو اور ثواب حاصل کرو"۔ (۳)

یہ جملے آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں میں سے ایک کے لڑکے کی وفات پر ان صاحبزادی کو بطور تسلی و تعزیت قاصد کے ذریعہ فرمائے تھے۔

اور ایک حدیث میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے لڑکے کی وفات پر آپ ﷺ کا تعزیتی پیغام مذکور و مروی ہے جو آپ ﷺ نے تحریر کروا کر روانہ کیا تھا، اس خط کے چند جملے یہ ہیں:

"تمہارا لڑکا اللہ کی خوشگوار نعمتوں میں سے ایک نعمت تھا، تم کو اس کے ذریعہ

---

(۱) ابن ماجہ: ۱۵۹۰، (۲) ترمذی: ۹۹۳، ابن ماجہ: ۱۵۹۱، (۳) بخاری: ۱۳۸۴، مسلم: ۱۵۳۱، نسائی: ۱۸۴۵، ابوداؤد: ۲۷۱۸، احمد: ۲۰۷۷۷

اللہ نے قابل رشک و لائق سرور نفع دیا اور اب اجر عظیم، رحمت و مغفرت و ہدایت کے بدلے اس کو اٹھا لیا اگر تم صبر سے کام لو۔ اور دیکھو! تمہارا رونا دھونا تمہارے اجر کو ضائع نہ کر دے، پھر تم کو پشیمانی ہوگی۔ (۱)

اس طرح تسلی دینا چاہئے۔

(۲) میت کے گھر والوں اور ان کے مہمانوں کے لیے کھانا پکا کر بھیجا جائے، یہ بھی ایک طریقۂ تعزیت ہے اور سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب حضرت جعفر ؓ کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان پر ایسی مصیبت آئی ہے کہ وہ کھانا تیار کر نہیں سکتے۔ (۲)

(۳) تعزیت تین دن تک کرنے کی اجازت ہے، اس کے بعد اجازت نہیں۔ ہاں اگر کوئی موجود نہیں تھا یا اس کو موت کی خبر دیر سے ملی تو بعد بھی جائز ہے۔ (۳)

تعزیت اور غیر اسلامی رواجات:

تعزیت کے بارے میں بھی شرعی و اسلامی احکام و آداب سے ناواقفیت کی بنا پر لوگ بہت سی غیر اسلامی رسمیں اختیار کئے ہوئے ہیں جن کو ترک کرنا ضروری ہے۔

(۱) تعزیت کرنے والے میت کے وارثین کو تسلی و دعا دینے کے بجائے، ان کو اور زیادہ بے صبرا و بے چین کر دیتے ہیں، لپٹ لپٹ کر روتے، ان کے بچوں کو دیکھکر پریشانی کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تعزیت کیسی ہوتی ہے؟ اس میں تسلی، دعاء وصبر کی تلقین ہونا چاہئے۔ مگر افسوس کہ آج معاشرہ اسلامی تعلیمات سے اتنا دور ہو چکا ہے کہ تعزیت کرنے والا اگر نہ روئے، بے قراری و بے چینی کا مظاہرہ نہ کرے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو میت سے نہ محبت ہے نہ اس کے مر

---

(۱) حصن حصین: ۲۴۶ (۲) ترمذی: ۹۱۹، ابوداؤد: ۲۷۲۵، ابن ماجہ: ۱۵۹۹ (۳) الجوہرۃ النیرۃ ۱/۱۵۹

نے پرغم۔ یہ دراصل اسلامی تعلیم سے غفلت وجہالت کا نتیجہ ہے۔

(۲) تعزیت تین دن کے بعد مکروہ ہے، اسی طرح بار بار تعزیت کرنا بھی مکروہ ہے (۱)

مگر بعض لوگ اس میں بھی خلاف کرتے ہیں اور جب جب جاتے ہیں، موت کا مسئلہ چھیڑ کر میت کے وارثین کے حزن وغم کو تازہ کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ ہاں کوئی شخص کہیں باہر گیا تھا اور موت کے تین دن بعد آیا یا کسی کو تین دن کے بعد ہی اطلاع ہوئی تو اس کے لیے درست ہے کہ وہ تین دن کے بعد جا کر تعزیت ادا کرے۔ (۲)

(۳) قبر کے پاس تعزیت ادا کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ موقعہ مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاء کا ہے، حضرت ابراھیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ قبر کے پاس تعزیت بدعت ہے۔ (۳)

(۴) بعض جگہ میت کا وارث گھر کے دروازہ پر یا راستہ میں کرسی یا حصیر ڈالکر بیٹھ جاتا ہے تا کہ لوگ آ کر تعزیت ادا کریں۔ یہ بھی مکروہ اور جاہلیت کی رسم ہے۔ (۴)

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر ائمہ متاخرین نے فرمایا کہ میت کے گھر والوں کے پاس اجتماع مکروہ ہے۔ اور اس کے لیے اپنے گھر میں بیٹھا رہنا تا کہ لوگ آ کر تعزیت کریں، مکروہ ہے، بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر لوگ چلے جائیں تو سب کو اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جانا چاہئے، اسی طرح گھر والے کو بھی اپنے کام میں لگ جانا چاہئے۔ (۵)

اللہ عزوجل

---

(۱) الجوہرۃ النیرۃ: !/۱۵۹، درمختار مع شامی: ۲/ ۲۴۱، شرح المھذب: ۵/۲۷۷ (۲) الجوہرۃ: ۱/ ۱۵۹، (۳) شامی ۲/۲۴۱ (۴) البحر الرائق ۲/۱۹۲، شامی ۲/۲۴۱، شرح المھذب: ۵/۲۷۸، المغنی: ۲/۳۴۲ (۵) شامی ۲/۲۴۱

سوگ یعنی غم منانا

کسی کے مرجانے پر غم وحزن کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ پھر تعلق ومحبت کی کمی بیشی کے اعتبار سے غم وحزن میں بھی کمی بیشی ہونا ایک واقعاتی چیز ہے۔ اسی لیے شریعت نے سوگ یعنی غم منانے کے بارے مین بھی شرعی احکام دے کر اس فطری و واقعاتی امر کی رعایت فرمائی ہے، اس کے احکام کتب فقہ میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، یہاں چند اہم امور پیش کرتا ہوں:

کسی کے مرنے پر تین دن سوگ منانے کی اجازت ہے، تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔ البتہ عورت اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منائے گی، یہ اس پر لازم وضروری ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی بھی عورت کے لیے، جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، جائز نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر بیوی اپنے شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن سوگ منائے گی۔ (۱)

شوہر کے انتقال پر عورت کو سوگ میں رہنا واجب ہے۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اجماع ہے البتہ اس کی تفاصیل میں اختلاف ہوا ہے(۲)۔ مثلاً امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک نابالغ لڑکی بھی بیوہ ہوجائے تو سوگ میں رہنا اس پر واجب ہے مگر امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں نابالغ لڑکی پر سوگ نہیں ہے۔ (۳)

سوگ کے دنوں میں زیب وزینت کی تمام چیزوں کو ترک کردینا ضروری ہے،

---

(۱) بخاری: ۱۲۸۰، مسلم: ۲۷۳۰، ترمذی: ۱۱۱۶، نسائی: ۳۴۴۳، ابوداؤد: ۱۹۵۴، احمد: ۲۵۵۴۰، مالک: ۱۰۹۷، دارمی: ۲۱۸۳، (۲) شرح مسلم للنووی: ۴۸۶/۱، (۳) درمختار مع شامی ۳۲/۳۷، شرح مسلم ۴۸۶/۱،

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سوگ میں رہنے والی عورت نہ سرمہ لگائے، نہ رنگین کپڑا پہنے، نہ عطر لگائے، البتہ حیض سے پاک ہونے پر اس کی اجازت ہے۔(۱)

نیز بعض احادیث میں اس عورت کو کنگھی کرنے سے بھی منع کیا ہے۔(۲)

اور بعض میں خضاب لگانے سے بھی روکا گیا ہے۔(۳)

نیز ایک حدیث میں ایسی عورت کو زیورات پہننے سے منع کیا گیا ہے۔(۴)

نیز خوشبودار تیل سے کنگھی کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔(۵)

ان تمام احادیث کے پیشِ نظر علماء نے عدت میں رہنے والی عورت کے لیے ہر اس چیز کو منع کر دیا ہے جو زیب و زینت کی ہو۔ البتہ ضرورت کے موقعہ پر تیل ڈالنے کی اجازت دی گئی ہے۔

عورت سوگ کے ایام میں چونکہ عدت میں ہوگی، اس لیے اس کو اپنے ہی شوہر کے گھر ان ایام میں رہنا چاہئے، باہر نکلنا، ادھر ادھر جانا، کسی تقریب میں شرکت کرنا، جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کے انتقال پر حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے شوہر کے گھر سے میرے خاندان والوں میں منتقل ہو جانا چاہتی ہوں، پھر کچھ حالات پیش کئے۔ آنحضرت نے پہلے اجازت دی پھر جب وہ جانے لگیں تو بلا کر فرمایا کہ نہیں، تم اسی اپنے گھر میں عدت ختم ہونے تک رہنا۔(۶)

اکثر علماء کا یہی مذھب ہے (کما قال الترمذیؒ) البتہ کوئی شدید ضرورت ہو تو علماء سے فتویٰ لے کر نکل سکتی ہے۔

---

(۱) بخاری: ۳۱۳، مسلم: ۲۷۳۹، نسائی: ۳۴۷۸، ابوداوٗد: ۱۹۵۹، ابن ماجہ: ۲۰۷۸، احمد: ۱۹۸۶۴ (۲) نسائی: ۳۴۸۱، ابوداوٗد: ۱۹۶۱ (۳) نسائی: ۳۴۸۰ ابوداوٗد: ۱۹۶۰، (۴) ابوداؤد: ۱۹۶۰، احمد: ۲۵۳۶۹، (۵) نسائی: ۳۴۸۱، ابوداوٗد: ۱۹۶۱، (۶) ابوداوٗد: ۱۹۵۷، ترمذی: ۱۱۲۵، نسائی: ۳۴۷۰، ابن ماجہ ۲۰۲۱، احمد: ۲۵۸۴، مالک: ۱۰۸۱، دارمی: ۲۱۸۵

سوگ اور غیر اسلامی رسومات :

سوگ اور عدت سے متعلق غیر شرعی رسمیں جو عوام الناس میں رائج ہیں اور ان سے پرہیز کرنا لازم ہے، وہ یہ ہیں:

گھروں میں کئی کئی ماہ تک سوگ منایا جاتا ہے، جبکہ تین دن سے زیادہ سوگ کرنا، سوائے شوہر کے کسی کے لیے جائز نہیں جیسا کہ اوپر احادیث شریفہ کے حوالے سے بیان ہوا۔ حضرت ام عطیہؓ کا لڑکا فوت ہوا تو تیسرے دن انہوں نے زرد خوشبو منگوا کر استعمال کیا اور کہا کہ ہم کو شوہر کے سوا کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۱)

بعض گھرانوں میں رواج ہے کہ کسی کے مر جانے پر پہلی عید منانے کو برا خیال کرتے ہیں اور عید و بقر عید کے دن سوگ مناتے ہیں۔ یہ ناجائز و بدعت ہے۔ (۲)

بعض جدید ذہنیت کے لوگوں میں بیوی، اپنے شوہر کی وفات پر نہ سوگ کرتی ہے نہ عدت گذارتی ہے، بلکہ عام دنوں کی طرح زیب و زینت بھی کرتی ہے اور گھر کے باہر بازاروں اور تقریبوں میں بھی جاتی ہے، یہ حرام و ناجائز ہے۔

بعض جگہ سنا گیا کہ عورتیں، اپنے شوہر کی قبر پر جا کر، عدت کے دنوں میں باہر نکلنے کی اجازت لیتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں۔ یہ اجازت شرعاً معتبر نہیں، بلکہ فضول اور لغو ہے اور کسی کے اجازت دینے سے بھی یہ حکمِ خداوندی ٹل نہیں سکتا، لہٰذا اس طرح کی جاہلی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

سوگ کے دن ختم ہونے پر بعض جگہ ایک رسم منائی جاتی ہے کہ تمام خاندان کی اور جان پہچان کی عورتیں جمع ہو کر، بیوہ کو گھر سے باہر نکالتی ہیں۔ گویا عدت کو ختم کرنے کے لیے یہ سمجھتی ہیں کہ اس بیوہ کو پکڑ کر باہر نکالنا ضروری ہے۔ یہ بھی ایک فضول رسم

(۱) بخاری: ۹:۱۲۷ (۲) اصلاح الرسوم: ۱۲۴

ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ یادرکھنا چاہئے کہ جب سوگ کے ایام ختم ہونگے تو خود بخود عورت عدت سے نکل جاتی ہے اگر چہ وہ گھر ہی میں رہے اور باہر بھی نہ نکلے۔ اس کو نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (۱)

میت کا دیدار کرنا

کسی انسان کے مرنے کے بعد اسکا دیدار اور زیارت کرنا جائز ہے۔حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اس وقت چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھولا پھر جھک کر بوسہ دیا، پھر رویا اور فرمایا کہ قسم بخدا آپ ﷺ پر اللہ تعالی دو موتیں جمع نہیں کرے گا ایک موت جو آپ ﷺ پر لکھی جا چکی تھی، وہ تو آ چکی۔ (۲)

اور حضرت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے انتقال کے بعد جا کر ان کو بوسہ دیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (۳)

معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد دیدار کرنا درست ہے، ظاہر ہے کہ بوسہ دینا دیکھنے کے بعد ہی ہوگا البتہ اس سلسلہ میں عوام میں بعض اغلاط رائج ہیں ان کی اصلاح بہت ضروری ہے۔

دیدار کے متعلق بعض اغلاط :

اکثر جگہ رواج ہے کہ میت نامحرم بھی ہو تو اسکا دیدار کرتے ہیں، بلکہ عورتیں تو خاص طور پر میت کے پاس ہی جمع ہو کر بیٹھتی ہیں۔ یادرہے کہ جس طرح زندگی میں نامحرم کو

---

(۱) اصلاح انقلاب امت ۲/۱۷۵ (۲) بخاری : ۱۲۴۲، نسائی : ۱۸۱۸، ابن ماجہ:۱۶۱۶، احمد:۲۳۷۱۸، (۳) ابوداؤد:۲۷۵۰، ابن ماجہ:۱۴۴۹، ترمذی:۹۱۰، احمد:۲۳۰۳۶،

دیکھنا جائز نہیں اسی طرح مرنے کے بعد بھی نامحرم کا دیدار نا جائز ہے۔ (۱)

اسی لیے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ میت کو غسل صرف وہ دے سکتا ہے جس کے لیے میت کو دیکھنا جائز ہے، جو میت کو دیکھ نہیں سکتا وہ میت کو غسل بھی نہیں دے سکتا۔ (۲)

اگر ہر ایک کو دیکھنے کی اجازت ہوتی تو یہ لکھنا عبث و بیکار ہوتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نامحرم مرد و عورت کو مرنے کے بعد بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔

بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ مرنے کے بعد بیوی کا چہرہ شوہر نہیں دیکھ سکتا۔ مگر یہ بات غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو مرنے کے بعد دیکھ سکتا ہے ، ہاں بلا ضرورت اس کو چھو نہیں سکتا۔ (۳)

میت کے دیدار کے لیے لوگوں کا ایسا انتظار کرنا کہ تاخیر ہونے لگے، یہ بھی جائز نہیں۔ کیوں کہ میت کو جلد سے جلد اس کی منزل تک پہنچانے کا حکم ہے۔ (۴)

بعض جگہ بلکہ اکثر جگہ نماز جنازہ کے بعد اور بعض جگہ قبر کے پاس اور قبر میں رکھنے کے بعد بھی دیدار کراتے ہیں یہ سب رسمیں ترک کرنے کے قابل ہیں۔ (۵)

---

(۱) اصلاح انقلاب ۱/۲۳۷ (۲) البحر الرائق: ۲/۱۷۴، شامی: ۲/۱۹۸ (۳) درمختار مع شامی ۲/۱۹۸ (۴) حضرت مرشدی مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "میں گذارش کرتا ہوں کہ...... رونمائی (دیدار) کی رسم نہ کی جائے، انتقال سے کفن تک جس قدر لوگوں کو چاہیں جمع کرلیں، اس کے بعد تاخیر کی گنجائش نہیں۔ مجالس ابرار ملخصاً: ۲/۸۹ (۵) قبر میں رکھنے کے بعد دیدار کرانے کے بارے میں عالمگیری میں ہے کہ **لابعث بان یرفع ستر المیت لیری وجهه وانما یکره ذلک بعدالدفن** (الہندیہ ۵/۳۵۱) اس کا مفاد حسب اصلاح فقہاء خلاف اولیٰ ہے اور اس سلسلہ میں ایک حدیث آئی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ قبر میں مت جھانکو۔ قبر ایک امانت ہے، اگر جھانک کر دیکھو گے تو کہیں یہ منظر نہ دکھائی دے کہ کالا سانپ مردے کی گردن میں طوق کی طرح پڑا ہے اور کہیں یہ حکم اللہ تعالیٰ نہ دیں کہ قبر سے زنجیر کی آواز تم کو سنائی دے۔ مگر اس حدیث کو علامہ ابن الجوزیؒ اور علامہ السیوطیؒ نے موضوع قرار دیا ہے (الموضوعات ۳/۲۳۵، اللآلی المصنوعۃ: ۲/۴۳۷)

اصول یہ ہے کہ میت کو جلد سے جلد اس کی منزل کو پہنچا دیا جائے، اور اس میں تاخیر نہ کی جائے اور قبر میں رکھنے کے بعد دیدار کرانا تو بہت سخت اور سنگین غلطی ہے۔

کفن و دفن میں جلدی

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مرنے کے بعد فوراً غسل، کفن و دفن کا انتظام کیا جائے، اور جتنی جلدی ہو سکے اس کی فکر کی جائے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ طلحہ کی موت آ گئی ہے، جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے خبر دینا اور تم تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان میت کو گھر والوں میں زیادہ دیر تک رکھنا مناسب نہیں۔ (۱)

نیز احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جنازہ میں جلدی کرو، میت اگر نیک و صالح ہے تو وہ جگہ اس کے لیے بہتر ہے جس کی طرف تم اس کو لے جا رہے ہو، اور اگر میت نیک نہیں ہے تو وہ شر ہے، اس کو جلدی سے اپنے سے دفع کرو۔ (۲)

تاخیر کی غلط رسم :

مگر افسوس کہ آج عام طور پر اس میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، بعض جگہ ایک ایک دن بعض جگہ دو دو دن تک میت کو گھر میں رکھے رہتے ہیں، بعض لوگ دور رہنے والے رشتہ داروں کیلیے تاخیر کرتے ہیں حالانکہ ان کا تجہیز و تکفین میں شریک ہونا ضروری نہیں، اصل تو دعا ہے جو دور سے بھی ہو سکتی ہے۔ ایک غیر ضروری چیز کے لیے ضروری کام میں غفلت نہایت درجہ غلط بات ہے۔ دیکھئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دنیائے

(۲) ابوداؤد: ۲۷۴۷ (۲) طحاوی: ۱/۲۳۰ بخاری: ۱۲۳۱، مسلم: ۱۵۶۸، ترمذی؛ ۹۳۶، نسائی: ۱۸۸۴، ابوداؤد: ۲۷۶۷، ابن ماجہ: ۱۴۶۶، احمد: ۶۹۶۹، مالک: ۵۱۲

اسلام کے امیر وخلیفۃ المسلمین ہیں، ان کا انتقال رات میں ہوتا ہے اور صبح ہونے سے پہلے صحابہ ان کی تدفین سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ (۱)

میت کا غسل

غسل میت کا طریقہ:

میت کو غسل دینے کے لیے سب سے پہلے کسی تخت یا بڑے تختے کا انتظام کر لیں، اس کو اگر بتی یا عود (لوبان) وغیرہ سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ چاروں طرف دھونی دیکر میت کو اس پر لٹادیں اور بدن سے کپڑے اتار لیں اور کوئی کپڑا ناف سے لے کر زانو تک اڑھا دیں۔ (۲)

پھر میت کو استنجاء کرائیں، لیکن اس کی رانوں اور شرمگاہ کو ہاتھ نہ لگائیں اور نہ اس پر نگاہ ڈالیں بلکہ اپنے ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ لیں اور میت پر جو کپڑا پڑا ہے اس کے اندر ہاتھ ڈال کر استنجاء کرائیں۔ (۳)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

﴿لا تبرز فخذک ولا تنظرن الی فخذ حی ولا میت﴾ (۴)

(اپنی ران کسی کے سامنے نہ کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف نظر کرو)

نیز حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو غسل دیا تو اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لیا تھا۔ (۵)

پھر وضو کرائیں جیسے نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی لڑکی

---

(۱) بخاری: ۱۳۸۷، احمد: ۲۳۸۵۶، تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص: ۷۹، والبدایۃ والنہایۃ: ۱۵/۷،
(۲) مراقی الفلاح: ۱۴۰، درمختار مع شامی ۱۹۵/۲ (۳) مراقی الفلاح: ۱۴۰، درمختار مع شامی ۱۹۵/۲ (۴) ابوداؤد: ۲۷۳۲، ابن ماجہ: ۱۴۴۹، احمد: ۱۱۸۴، بیہقی: ۶۷۲۰ (۵) بیہقی: ۶۷۲۰

کا انتقال ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پہلے وضو کے اعضاء سے غسل شروع کریں۔ (۱)

مگر کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر میت حیض، نفاس یا جنابت کی حالت میں ہے تو کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا چاہئے۔ (۲)

پہلے منہ پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھلائیں پھر سر کا مسح کرائیں، پھر پیر دھلائیں اور کپڑے کو تر کر کے دانتوں کو صاف کریں اور ناک کے سوراخوں میں کپڑا پھیر دیں۔ (۳)

ناک، منہ اور کان میں روئی رکھ دیں تا کہ پانی اندر نہ جانے پائے، پھر سر کو صابون وغیرہ سے اچھی طرح دھو دیں، پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈالکر پکایا ہوا پانی نیم گرم، تین دفعہ سر سے پیر تک ڈالیں یہاں تک کہ وہ پانی تخت کو لگے ہوئے حصہ تک پہنچ جائے پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر، اسی طرح تین مرتبہ پانی ڈالیں، پھر میت کو کوئی شخص اپنے بدن سے ٹیک لگا کر بٹھائے اور پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے، اگر نجاست نکلے تو اس کو صاف کر دے، پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹا کر کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین دفعہ ڈالیں اور کسی صاف کپڑے سے بدن کو صاف کر دیں۔ (۴)

حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی لڑکی کے انتقال پر ان کے غسل کے بارے میں عورتوں کو حکم دیا کہ تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اس سے زیادہ اس کو غسل دو اور ہو سکے تو بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو اور آخری دفعہ

---

(۱) بخاری: ۱۱۷۷، مسلم: ۱۵۶۰، نسائی: ۱۸۶۱، ابوداؤد: ۲۷۳۵، (۲) کتاب الآثار للامام ابی یوسفؒ: ۶۷، درمختار مع شامی ۱۹۶/۲ (۳) مراقی الفلاح: ۱۴۰، البحر الرائق: ۱۷۳/۲ (۴) کتاب الآثار للامام ابی یوسفؒ: ۶۷ تا ۷۷، درمختار: ۱۹۶/۲، البحر الرائق: ۱۷۳/۲

کافور بھی اس میں ڈال دو۔ (۱)

حدیث اور فقہ کی روشنی میں غسلِ میت کا مکمل طریقہ یہاں پیش کیا گیا ہے اس کے مطابق میت کو غسل دینا چاہیے تاکہ یہ فرض صحیح وشرعی طریقہ کے مطابق ادا ہو، اور خصوصاً مؤذن لوگوں کو جو غسل دینے کا کام کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ اس طریقہ پر غسل دینے کی مشق کریں۔

غسلِ میت کے چند اہم مسائل:

نہلانے والا وہ ہو جس کے لیے میت کا دیکھنا جائز ہے، لہٰذا اجنبی عورت کو اجنبی مرد اور اجنبی مرد کو اجنبی عورت غسل نہیں دے سکتے، ہاں مرد کو اس کی بیوی غسل دے سکتی ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں مرد اپنی بیوی کو بھی غسل نہیں دے سکتا۔ (۲)

متعدد طرق سے یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر عورت مردوں کے درمیان مر جائے اور وہاں کوئی عورت نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی مرد عورتوں کے مابین مر جائے اور وہاں کوئی مرد نہ ہو تو ان کو تیمّم کرا دیا جائے۔ (۳)

اس میں آپ ﷺ نے یہ تفصیل نہیں بیان کی کہ عورت کا شوہر اس جگہ موجود ہے یا نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا شوہر وہاں ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں ایک ہی حکم ہے۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس (بیوی) کے زیادہ حقدار تھے جب تک کہ وہ زندہ تھی اور جب مر گئی تو تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ (۴)

(۱) بخاری: ۱۱۷۷، مسلم: ۱۵۵۷، نسائی: ۱۸۶۱، ترمذی: ۹۱۱، ابن ماجہ: ۱۴۴۸، احمد: ۲۶۰۳۴
(۲) درمختار: ۲/۱۹۸، البحر الرائق: ۲/۱۷۴، (۳) بیہقی: ۵/۲۵۹، مراسیل ابو داؤد: ۴۱۴، (۴) کتاب الآثار للامام محمدؒ: ۴۷

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بیوی کو غسل دینے کا حق مرد کو نہیں ہے۔
یہ حضرت عمر کا قول معلق ہے اور معلق حدیث، مرسل کے حکم میں ہوتی ہے اور حدیث مرسل بہت سے محدثین اور فقہاء کے نزدیک حجت ہے۔ (۱)

بہتر ہے کہ غسل دینے والا میت کا کوئی رشتہ دار ہو اور اگر رشتہ دار غسل دینا نہ جانتا ہو تو پھر کوئی دوسرا آدمی جو متقی ہو، غسل دے۔ (۲)

جو بچہ پیدا ہو کر مر جائے اس کو بھی غسل دینا چاہئے اور جو مر کر پیدا ہو، اس کو بھی بہتر ہے کہ غسل دیا جائے اور اگر بچہ ناقص پیدا ہو تو اس کو غسل دینے میں اختلاف ہے، بہتر ہے کہ دیدیا جائے۔ (۳)

چھوٹے بچہ یا بچی کو مرد یا عورت جو چاہے، غسل دے سکتے ہیں۔ (۴)

مرد کا انتقال ایسی جگہ ہو جائے جہاں اس کو غسل دینے والا کوئی مرد نہ ہو یا عورت کا انتقال ایسی جگہ ہو جائے جہاں اس کو غسل دینے والی کوئی عورت نہ ہو، تو اس مرد و عورت کو تیمّم کرا دیا جائے اور تیمّم کے لیے ہاتھوں پر کوئی کپڑا لپیٹ لیا جائے ہاں اگر کوئی محرم ہو تو بغیر کپڑے کے تیمّم کرا دے۔ (۵)

میت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کو غسل کر لینا مستحب ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو میت کو غسل دے، وہ غسل کر لے۔ (۶)

❁ غسلِ میت کی اغلاط:

غسلِ میت کے متعلق بھی عوام میں بعض اغلاط و منکرات رائج ہیں، جن سے بچنا چاہئے مثلاً:

---

(۱) قالہ فی اعلاء السنن ۱۸۶/۸ (۲) البحر الرائق: ۱۷۳/۲، (۳) ہدایہ: ۱۶۱/۱، مراقی الفلاح: ۱۴۶، درمختار مع شامی ۲۲۸/۱ (۴) مراقی : ۱۴۶ (۵) اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسئلہ نمبر (۱) کے تحت گذر چکی ہے (۶) ابوداؤد: ۲۷۳۹، ابن ماجہ: ۱۴۵۲، ترمذی: ۹۱۴، احمد: ۷۳۶۴

بہت سے لوگ میت کو غسل دینے سے ڈرتے یا نفرت کرتے ہیں، اگر چہ میت رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، یہ بڑی غلط بات ہے۔ سوچنا چاہئے کہ آخر ہم بھی ایک دن مریں گے، اس وقت ہمارے رشتہ دار ہم سے خوف کھائیں اور نفرت کریں تو کیا ہوگا؟ ایک تابعی بزرگ عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ جو بھی مرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ اس کو غسل و کفن دے رہے ہیں اور وہ ان کو دیکھتا ہے۔ (۱)

غرض یہ کہ جب میت کو اہل خانہ کے حالات و معاملات کا علم ہوتا ہے تو اس کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون اس سے نفرت کر رہا ہے۔ لہٰذا ایسا نہ کرنا چاہئے۔

بعض لوگ مر کر پیدا ہونے والے اور پیدا ہو کر مرنے والے بچوں کو غسل دیئے بغیر دفنا دیتے ہیں، اوپر یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ پیدا ہو کر مرنے والے بچے کو غسل دینا ضروری ہے اور مر کر پیدا ہونے والے بچے کو غسل دینا مستحب ہے، اس لیے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ بعض جگہ ہسپتالوں میں جو لوگ دور دور سے آتے ہیں اور وہاں ولادت ہوتی ہے اور کبھی بچہ مر کر پیدا ہوتا ہے تو لوگ ہسپتال کی ماماؤں کو دفن کرنے کا معاملہ سپرد کر دیتے ہیں، یہ بڑی بے مروتی ہے۔

اکثر لوگوں میں رسم ہے کہ غسل میت کے لیے پانی گرم کرنے اور نہلانے کے لیے نئے برتن خریدتے ہیں جبکہ گھر میں برتن موجود ہوتے ہیں، پھر غسل کے بعد ان برتنوں کو اور غسل کے کپڑوں کو خیرات کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ محض من گھڑت رسم ہے اور اس میں لوگوں کے عجیب عقائد ہیں۔ مثلاً بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مُردوں کی یہ چیزیں استعمال کرنے سے استعمال کرنے والا جلدی مر جاتا ہے۔ اور بعضوں کا خیال ہے کہ یہ استعمال شدہ چیزیں منحوس ہوجاتی ہیں۔ یہ سب بے اصل باتیں اور نظریات ہیں۔

(۱) کتاب الروح لابن القیمؒ ص:۱۲

اولاً: نئے برتن لینا ہی کیا ضروری ہے؟ پھر ان غلط عقائد سے خیرات کرنا کونسا بھلا کام ہے؟ ہاں اگر محض ثواب کی نیت سے خیرات کریں اور کوئی غلط عقیدہ شامل نہ ہو، تو یہ کارِ ثواب ہے مگر اس میں بھی یہ مسئلہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر یہ برتن اور کپڑے میت کے مال سے ہیں تو ان کا وارثوں کی اجازت کے بغیر خیرات کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ میت کا ترکہ اور میراث ہے جس کے حقدار اس کے وارث ہونگے۔ پھر ان وارثین کی اجازت بھی اس وقت معتبر ہے جبکہ تمام وارثین بالغ ہوں۔ اگر کوئی وارث نابالغ ہے تو اس کی اجازت بھی معتبر نہیں۔ یہ مسئلہ کسی مستند عالم سے پوچھ کر اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

بعض لوگ غسل کے پانی پر کچھ آیات، درود شریف یا کچھ دعائیں پڑھ کر دم کر کے اس سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔

تکفین کے احکام

غسل سے فراغت کے بعد، کپڑے سے میت کا جسم صاف کرلیا جائے اور فوراً کفن پہنانے کا انتظام کیا جائے۔

کفن کے چند مسائل:

کفن سفید ہو تو زیادہ بہتر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے کپڑوں میں سے سفید پہنا کرو، کیونکہ وہ سب سے بہتر ہیں اور اسی میں سے اپنے مردوں کو کفن دو۔ (۱)

کفن بہت قیمتی نہ ہونا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کفن بہت قیمتی نہ دو کیونکہ وہ بہت جلد اُچک لیا جاتا ہے (۲)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ گھٹیا کفن دیا جائے، بلکہ نہ گھٹیا ہو نہ بہت قیمتی ہو۔

---

(۱) ترمذی: ۹۱۵، ابوداؤد: ۳۵۳۹، ابن ماجہ: ۱۴۶۱، احمد: ۲۱۰۹، (۲) ابوداؤد:: ۲۷۴۲

چناچہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ کفن اچھا دو۔ (۱)

علامہ نووی ؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے فرمایا ہے کہ اچھا کفن دینے سے اسراف کرنا اور بہت قیمتی کفن دینا یا نفیس کفن دینا مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ کفن صاف ستھرا اور موٹا ہو جو بدن کو ڈھانک سکے اور درمیانی قسم کا ہو اور ایسا جو وہ اپنی زندگی میں پہنتا تھا، نہ بہت عمدہ اور نہ بہت حقیر۔ (۲)

کفن صرف ان کپڑوں میں جائز ہے جن کا پہننا زندگی میں جائز تھا، مرد کے لیے خالص ریشمی کفن یا زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کا کفن جائز نہیں، البتہ عورتوں کے لیے اس کی اجازت ہے۔ (۳)

کفن کا خرچہ خود میت کے مال سے لیا جائے گا، اگر میت کا مال نہ ہو تو کفن کی ذمہ داری اس پر ہے جو اس میت کی زندگی میں اس کا خرچہ چلاتا تھا، مثلاً بچہ کے کفن کی ذمہ داری باپ پر ہے۔ البتہ بیوی کا کفن ہر صورت میں مرد کے ذمہ ہے خواہ عورت کا مال ہو یا نہ ہو، اور جس آدمی کا نہ مال ہو اور نہ کوئی ذمہ دار، اس کا کفن تمام مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ (۴)

مرد کو کفنانے کا طریقہ:

اللہ تعالی نے حضرت آقائے نامدار مدینہ کے تاجدار خاتم المرسلین محمد مدنی ﷺ کے ذریعہ دینِ اسلام بھیج کر انسانیت پر اپنا فضلِ عظیم وعمیم فرمایا جس میں اس نے انسان کے مرنے پر اس کی تعظیم بھی سکھائی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں کفن کے احکام بھی ہیں، مرد کے کفن میں تین کپڑے دینا سنت ہے، رسول اللہ ﷺ کو تین کپڑوں

---

(۱) مسلم: ۱۵۶۷، ابوداؤد: ۲۷۳۷، نسائی: ۱۸۶۹، احمد: ۱۳۲۳۱، ترمذی: ۹۱۶، ابن ماجہ: ۱۴۶۲،
(۲) (۱) شرح مسلم للنووی ۳۰۶/۱ (۳) درمختار مع شامی ۲۰۵/۲، العرف الشذی ۹۴/۱ مع ترمذی ، البحر الرائق: ۱۷۶/۲ (۴) شرح مسلم للنووی ۳۰۶/۱، درمختار مع شامی ۲۰۵/۲

میں کفن دیا گیا تھا۔ (۱)

ان تین کپڑوں میں سے ایک ازار ہو جو اتنی لمبی ہو کہ سرتا پا ڈھک جائے اور ڈیڑھ گز چوڑی ہو، دوسرے کفنی جس کی مقدار گلے سے پیر تک ہو، تیسرے چادر جس کی مقدار ازار سے کچھ زیادہ ہو۔ (۲)

کفنانے سے پہلے کفن کو عود یا کسی خوشبودار چیز کی دھونی دی جائے، پھر کفن کو اس ترتیب سے بچھا دیا جائے کہ پہلے چادر ہو پھر اس کے اوپر ازار، اس کے اوپر کفنی (قمیص جو بلا آستین ہو) کا نیچے کا حصہ بچھا دیا جائے، اوپر کا حصہ سر کے پاس لپیٹ کر رکھدیں۔ اب میت کی ڈاڑھی اور سر میں خوشبو لگائیں۔ (۳)

اور پیشانی، ناک اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اور گھٹنوں اور قدموں پر کافور مل دیا جائے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہیکہ میت کے سجدے کی جگہوں پر کافور ڈال دیا جائے۔ (۴)

نیز حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ان کی بیوی کو مشک دیا اور فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے عطر لگا دینا کیونکہ اللہ کی ایک مخلوق اس وقت حاضر ہوتی ہے، اور اس وقت لوگ کھانا اور پانی تناول نہیں کرتے بلکہ خوشبو حاصل کرتے ہیں۔ (۵)

اس کے بعد میت کو کفنی پر لٹا کر پہلے کفنی کا جو حصہ سر کے پاس لپیٹ کر رکھا تھا، وہ پہنا دیں پھر ازار کو اس طرح اوپر لپیٹیں کہ بائیں جانب کا حصہ نیچے رہے اور دائیں جانب کا حصہ اوپر رہے، پھر اسی طرح اوپر والی چادر لپیٹیں اور سر کی طرف اور

---

(۱) بخاری: ۱۱۹۲، مسلم: ۱۵۶۳، ترمذی: ۹۱۷، نسائی: ۱۸۷۱، ابوداؤد: ۲۷۴۰، ابن ماجہ: ۱۴۵۸، احمد: ۲۲۹۹۲، مالک: ۴۶۷، (۲) درمختار مع شامی ۲۰۲/۲، مراقی الفلاح: ۱۴۳، (۳) ھدایہ: ۱۵۹/۱، (۴) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۱/۳، سنن الکبری للبیھقی: ۲۷۵/۵، (۵) نصب الرایۃ: ۲۶۷/۲

پیروں کی طرف سے کفن کو باندھیں۔ (۱)

اور یاد رہے کہ میت کو کفن میں رکھتے وقت میت کے ہاتھ بازؤں میں رکھیں، سینہ پر نہ رکھیں کیونکہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ (۲)

عورت کو کفنانے کا طریقہ :

عورت کے لیے پانچ کپڑے کفن میں دینا مسنون ہے، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اپنی بیٹی کے کفن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ہم نے اس کو پانچ کپڑوں میں کفنایا اور جس طرح زندہ سر ڈھانکتا ہے اسی طرح ہم نے اس کا سر ڈھانک دیا۔ (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت لیلیٰ بنت قائف کہتی ہیں کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دیا گیا تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازار دی پھر قمیص، پھر اوڑھنی پھر سینہ بند پھر ایک کپڑا جس میں ان کو رکھا گیا۔ (۴)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے کفن میں پانچ کپڑے مسنون ہیں (۱) ازار (۲) قمیص یعنی کفنی جو آستین کے بغیر ہوگی (۳) اوڑھنی (۴) سینہ بند (۵) چادر۔ ان میں سے ازار، کفنی اور چادر تو ویسے ہی ہونگے جیسے مرد کے لیے ہوتے ہیں اور سینہ بند دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا ہو تاکہ بغل کے نیچے سے پنڈلی تک آسکے اور سر بند یعنی اوڑھنی ڈیڑھ گز لمبی اور بارہ گرہ چوڑی ہو۔

کفن کو خوشبو سے دھونی دینے کے بعد پہلے چادر بچھائی جائے اس کے بعد ازار اس کے اوپر کفنی، پھر میت کو رکھکر کفنی پہنا دی جائے اور اس کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ داہنی طرف، ایک حصہ بائیں طرف کر کے سینہ پر رکھ دئے جائیں، پھر سر بند کو سر اور بالوں پر ڈالدیا جائے، اس کے بعد ازار لپیٹی

---

(۱) درمختار مع شامی ۲/۲۰۴، (۲) ردمختار مع شامی ۲/۱۹۸، (۳) رواہ الجوزی، قال ابن حجر: ہذہ الزیادۃ صحیحۃ الاسناد فتح الباری: ۳/۱۳۳، (۴) ابوداؤد: ۲/۴۵۰، سنن بیہقی: ۲/۶۸۷، نصب الرایہ: ۲/۲۷۲

جائے پھر چادر جیسا کہ مرد کے کفن میں مذکور ہوا، پھر سب سے اوپر سینہ بند باندھ دیا جائے۔ (۱)

فائدہ: چھوٹے بچہ یا بچی کو بہتر ہے کہ مذکورہ طریقہ پر ہی کفن دیا جائے اور اگر چھوٹے لڑکے کو ایک کپڑے میں اور چھوٹی بچی کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے تو بھی جائز ہے اور مر کر پیدا ہونے والے بچے یا ناقص بچے کو بھی مکمل کفن دینا ضروری نہیں، صرف ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے تو درست ہے۔ (۲)

کفن کے بارے میں بے اعتدالیاں:

کفن کے بارے میں عوام میں جو بے اعتدالیاں اور غلط رسومات ہوتی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے، لوگوں کو چاہئے کہ ان کی اصلاح کریں۔

کفن میں عمامہ:

کفن میں صرف وہ کپڑے مسنون ہیں جن کا اوپر ذکر آیا، ان کے علاوہ عمامہ باندھنا خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جس میں نہ قمیص تھی اور نہ عمامہ تھا۔ (۳)

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ میت کے لیے عمامہ مکروہ ہے۔ علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ عمامہ میت کے لیے ہر حال میں مکروہ ہے۔ البتہ بعض فقہاء نے علماء کے لیے اس کی اجازت دی ہے۔ (۴)

غرض یہ کہ سنت تو یہی ہے کہ کفن میں عمامہ نہ ہو، لھذا سنت کی اتباع کرنا چاہئے، اسی میں خیر ہے۔

---

(۱) درمختار وشامی ۲/۲۰۴ (۲) درمختار وشامی ۲/۲۰۴ (۳) بخاری: ۱۱۹۲، مسلم: ۱۵۶۳، ترمذی: ۹۱۷، نسائی: ۱۸۷۲، ابوداؤد: ۲۷۴۰، ابن ماجہ: ۱۴۵۸، احمد: ۲۳۷۲۴، مالک: ۴۶۷ (۴) درمختار مع شامی: ۲/۲۰۲، البحر الرائق: ۲/۱۷۵

کفن پر عطر:

اکثر عوام میں رواج ہے کہ کفن کے اندر و باہر عطر کا چھڑکاؤ کر دیتے ہیں حالانکہ خوشبو، میت کے صرف ان اعضاء پر لگانے کا حکم ہے جن پر سجدہ کیا جاتا ہے یا سر اور ڈاڑھی میں لگانے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اوپر گذرا، یا کفن کو دھونی دینے کا ذکر آیا، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میت کو تین دفعہ دھونی دو اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میت کے کفن کو تین مرتبہ دھونی دو۔ (۱)

مگر کفن پر عطر ملنا ثابت نہیں ہے بلکہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو میرے کپڑوں (کفن) کو دھونی دینا پھر مجھے خوشبو لگانا لیکن میرے کفن پر خوشبو نہ چھڑکنا۔ (۲)

غرض یہ کہ یہ طریقہ جو عوام میں رائج ہے کہ کفن میں عطر لگاتے ہیں، یہ سنت نہیں ہے لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

کفن میں بڑائی کا مظاہرہ:

بعض جگہ کفن پہناتے وقت بھی لوگوں کو اپنی بڑائی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لیے بہت قیمتی کفن پہناتے ہیں اور اپنی شان کا مظاہرہ کرتے ہیں، اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قیمتی کفن دینے سے منع کیا ہے اور پھر ہم نے وہیں اس حدیث کا ذکر کر کے جس میں عمدہ کفن دینے کا ذکر آیا ہے، دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت بھی ذکر کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بہت قیمتی لباس جس پر فخر کیا جائے، یہ

---

(۱) رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ :۲۷۴/۵، و احمد بن حنبل فی المسند : ۱۴۰۱۳، والحاکم فی المستدرک، قال النووی: اسنادہ صحیح، (شرح المھذب: ۱۵۵/۵) (۲) مؤطا امام مالکؒ: ۴۷۴، بیہقی : ۶۷۰۵، اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، (شرح مھذب : ۱۵۷/۵)

جائز نہیں۔ ہاں بہت خستہ اور معمولی کفن بھی نہ دیا جائے بلکہ درمیانی قسم کا ہونا چاہیے۔

❁ کفن میں ٹوپی، لنگی وغیرہ:

بعض جگہ کفن میں ٹوپی اور پائجامہ دینے کا رواج ہے جو سراسر خلافِ سنت و مکروہ ہے۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"پائجامہ اور ٹوپی کفن مسنون سے علیحدہ دیا جاتا ہے تو یہ بالکل فضول اور ناجائز ہے، ٹوپی اور پائجامہ کفن میں داخل نہیں ہے اور نہ ثابت ہے۔ (۱)

اسی طرح کفن میں لنگی دینا بھی جائز نہیں اور بدعت ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے۔ (۲)

❁ میت کے لیے سرمہ اور کنگھی:

بعض لوگ میت کو سرمہ لگاتے اور کنگھی کرتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں ہے، حضراتِ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ میت کے لیے زیب و زینت کی چیزیں جائز نہیں۔ (۳)

اور ظاہر ہے کہ سرمہ بھی زینت کی چیز ہے اس لیے میت کو سرمہ لگانا بھی جائز نہیں (۴)

اسی طرح میت کو کنگھی کرنا بھی پسندیدہ نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ کسی میت کو لوگ کنگھی کر رہے ہیں تو فرمایا علام تنصون میتتکم۔ (۵)

مطلب یہ ہے کہ میت کے لیے کنگھی کی کوئی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوا کہ میت کو کنگھی کرنا درست نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ابن

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۱/۵، (۲) اصلاحِ انقلابِ امت: ۲۴۲/۱، (۳) شامی: ۱۹۸/۲، (۴) امداد الفتاویٰ: ۷۱۲/۱ (۵) کتاب الآثار للامام محمد: ص: ۴۶ و کتاب الآثار للامام ابی یوسف رحمہ اللہ: ۷۸، قلتُ: ورواہ عبد الرزاق وابو عبید القاسم وابراہیم الحربی، کما قال الزیلعی فی نصب الرایۃ: ۲/ ۲۶۸،

قدامہ الحنبلیؒ نے مغنی میں لکھا ہے۔ (۱)

اور جو بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی لڑکی کے بالوں کو کنگھی کر کے تین مینڈھیاں بنائی گئیں تو اس سے مراد کنگھی کرنا نہیں ہے بلکہ ہاتھ سے بالوں کو درست کر کے ان کو تین حصوں میں کرنا مراد ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ میت کے لیے سرمہ، کنگھی وغیرہ زیب وزینت کی چیزیں ممنوع ہیں۔ ہاں اگر کنگھی کرنا کسی ضرورت کی بنا پر ہو تو اس کی بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ (۳)

میت کے بال و ناخن تراشنا:

میت کے بال کاٹنا یا ناخن تراشنا جائز نہیں، امام محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ میت کے ناخن نہ تراشے جائیں اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں۔ (۴)

ہدایہ میں ہے کہ میت کے نہ ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں، کیونکہ یہ چیزیں زینت کے لیے ہیں اور میت ان سے مستغنی ہے۔ (۵)

اسی طرح دیگر علماء نے بھی تصریح کی ہے، امام شافعیؒ سے امام بیہقیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب میں سے بعض نے کہا کہ مرنے کے بعد نہ میت کے سر کے بال مونڈے جائیں اور نہ اس کے ناخن تراشے جائیں، اور بعض اسمیں کوئی مضائقہ وحرج نہیں سمجھتے۔ (۶)

مگر بعض لوگ میت کی ڈاڑھی تک کٹاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد شیونگ کرنا بھی جائز نہیں۔

---

(۱) المغنی :۲/۲۹۹ (۲) امام احمدؒ نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے (المغنی ۲/۲۹۹) (۳) اعلاء السنن: ۸/۱۸۲ (۴) کتاب الآثار ص: ۴۶، (۵) الھدایۃ :۱/۱۵۹، (۶) سنن بیہقی : ۵/۲۴۷

کفن میں ابیر:

بعض جگہ رواج ہے کہ کفن دیتے وقت میت کی پشت وسینہ پر ابیر (جو بقولِ بعض صندل کا سفوف ہے) ڈالدیتے ہیں، سنت سے اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جو ثابت تھا وہ اوپر درج کردیا گیا۔لھذا اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

کفن میں کلمہ وعہد نامہ:

بعض جاہل لوگوں میں رواج ہے کہ کفن پر کلمہ لکھتے ہیں اور بعض لوگ کفن میں عھد نامہ رکھدیتے ہیں، یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ مقدس چیزیں میت کے گلنے، سڑنے پر نجاست سے ملوث ہوجائیں گی جو ان چیزوں کے احترام کے خلاف ہے۔ علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

''قرآن کی آیات اور اللہ کے ناموں کا درھم ومحراب ودیوار اور فرش پر لکھنا مکروہ ہے اور یہ صرف اس وجہ سے مکروہ ہے کہ ان کے روندے جانے کا خوف ہے جس سے ان کے احترام میں فرق آئے گا اور توہین ہوگی، لہٰذا کفن میں ان کا لکھنا بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا۔ (۱)

البتہ صرف انگلی سے لکھا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ (۲)

مگر اس کو سنت ومستحب یا ضروری نہ سمجھنا چاہئے کہ غیر ضروری کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

کفن میں پیروں کا شجرہ:

بعض عوام میں پیروں کی اندھی عقیدت کے نتیجہ میں عجیب وغریب خرافات رائج ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پیر ومرشد کا شجرہ کفن میں رکھدیتے ہیں اور

(۱) شامی: ۲/ ۲۴۶۔۲۴۷، (۲) شامی: ۲/ ۲۴۷

یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس شجرہ کی وجہ سے ا للہ تعالی میت کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور بلاحساب وکتاب جنت میں داخل کردیتے ہیں ،مگر یہ عقیدہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے،اللہ کے نزدیک معیارِ نجات ایمان وعملِ صالح ہے حضرت نبی کریم ﷺ پر جب آیت ﴿و انذر عشيرتك الاقربين﴾ نازل ہوئی تو کھڑے ہوئے اور نام بنام قریش ، بنوعبد المطلب ، بنوعبد مناف ، اور اپنے چچا عباس ، اپنی پھوپی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پکارا اور فرمایا کہ

میں تم کو اللہ کے پاس کچھ کام نہیں آسکتا ،تم خود اپنے آپ کو دوزخ سے نکالو اور بچاؤ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خاص طور پر فرمایا کہ تو مجھ سے چاہے تو مال طلب کرلینا مگر میں تجھ کو اللہ کے پاس کام نہ آسکوں گا۔[1]

جب اللہ کے نبی ﷺ اپنی لختِ جگر اور اپنی پھوپی سے یہ فرمارہے ہیں تو کسی اور کے شجرہ سے کیا کام بن سکتا ہے؟ اس پر غور کرنا چاہئے اور اس طرح کی خرافات سے بچنا چاہئے۔

نمازِ جنازہ کے احکام

جب تکفین سے فراغت ہوجائے تو میت کو کسی چارپائی (پلنگ) یا جنازہ پر رکھ کر جلد سے جلد نمازِ جنازہ پڑھنے کی فکر کریں۔

نمازِ جنازہ کا طریقہ:

نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو سامنے رکھ کر امام اس کے سینہ کے برابر کھڑا ہو اور باقی لوگ امام کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہوں ۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور وسط (درمیان) میں کھڑے

---

(۱) بخاری:۲۵۴۸،مسلم:۳۰۵،نسائی:۳۵۸۶،دارمی:۲۶۱۶،ترمذی:۲۲۳۲،احمد:۸۸۱۲

ہوئے۔[1]

اور بہتر ہے کہ امام کے پیچھے کم از کم تین صفیں بنائی جائیں۔ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ ماصلّٰی ثلاثة صفوف من المسلمین علی رجل مسلم یستغفرون له الا اوجب ﴾.[2]

(یعنی: کسی بھی مسلمان پر تین صفیں مسلمانوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتیں مگر اللہ اس کے لیے (جنت) واجب کردیتا ہے)

صفوں کو درست کرنے کے بعد امام چار تکبیر کہے اور اس کے بعد مقتدی بھی چار تکبیریں کہیں مگر صرف پہلی تکبیر پر کانوں تک ہاتھ اٹھائیں جیسا کہ عام نمازوں میں کانوں تک اٹھاتے ہیں اور بعد کی تین تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔[3]

---

(۱) بخاری:۱۲۴۶، مسلم:۱۶۰۲، ترمذی:۹۵۶، نسائی:۳۹۰، ابوداؤد:۲۷۸۰، ابن ماجہ:۱۴۸۲، احمد:۱۹۳۰۳، طحاوی:۱/۲۳۷، معلوم ہونا چاہئے کہ امام جنازہ کے پاس کہاں کھڑا ہو؟ اس سلسلہ میں ائمۂ کرام کا اختلاف ہے۔اور علماء حنفیہ کے بھی اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ سینہ کے پاس کھڑا ہو اور دوسرا یہ کہ میت اگر مرد ہے تو سر کے پاس اور عورت ہے تو سرین کے پاس کھڑا ہو، (ابوداؤد:۲۷۷۹، ترمذی: ۹۵۵، ابن ماجہ:۱۴۷۳، احمد:۱۱۷۳۵،) میں حضرت انسؓ کا یہی عمل بتایا گیا ہے، ہمارے علماء نے حضور اکرم ﷺ کے مطابق سینہ کے پاس کھڑے ہونے کو ترجیح دی ہے۔(دیکھو اعلاء السنن: ۸ /۲۲۷) (۲) سنن بیہقی:۷۰۰۵، ترمذی:۹۴۹، ابوداؤد:۲۷۵۳، ابن ماجہ:۱۴۷۹ (۳) جنازہ کی نماز میں کتنی تکبیریں ہیں اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے، اکثر احادیث میں چار کا ذکر ہے جب حضرت نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی نمازِ جنازہ پڑھی تو آپ نے چار تکبیریں کہیں (بخاری:۱۲۳۴، مسلم:۱۵۸۰، ترمذی:۹۴۳، نسائی:۱۹۴۶، ابوداؤد:۲۷۸۹، ابن ماجہ:۱۵۲۳، احمد:۶۸۵۰، مالک:۴۷۹، طحاوی:۱/۲۳۸،) نیز حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ پر فرشتوں کا چار تکبیر کہنا بھی احادیث میں آیا ہے اور خود حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے بھی چار ہی تکبیرات حضراتِ صحابہ نے کہی تھیں (دار قطنی:۲/۷۱، سنن بیہقی:۵/۳۶۲)

پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر باندھ لیں جیسے عام نمازوں میں باندھتے ہیں۔ (۱)

پھر اللہ کی حمد وثناء کریں اور یہ حمد وثناء خواہ سورۂ فاتحہ سے ہو یا اور کسی دعاء سے ہو جیسے عام نمازوں میں ثناء پڑھی جاتی ہے۔ (۲)

---

(۱) جنازہ میں ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائیں یا صرف پہلی تکبیر پر؟ اس بارے میں بھی اختلاف ہوا ہے، (ترمذی: ۹۹۸) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھائے، اسی طرح (دارقطنی: ۷۵/۲) میں ہے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ صرف اول تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے پھر نہ اٹھاتے، اور بعض احادیث سے ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، مگر اس بارے میں مرفوع حدیث جس کو دارقطنی نے علل میں روایت کیا ہے، وہ ضعیف ہے اور اس کا حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہونا ہی صحیح ہے جیسا کہ دارقطنی نے خود فرمایا ہے (نصب الرایۃ: ۲۹۲/۲) ہاں بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے (دیکھو التلخیص الحبیر والدرایۃ فی تخریج الھدایۃ والسنن للبیہقی: ۳۷۹/۵،) امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے، البتہ علماء حنفیہ نے اوپر کی احادیث کی بناپر صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھانے کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) پہلی تکبیر کے بعد کیا پڑھا جائے؟ اس میں ائمۂ کرام کا اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کوئی بھی حمد وثناء پر مشتمل دعاء پڑھی جاسکتی ہے، حضرت ابوھریرہؓ نے جنازہ میں اپنا یہی معمول بیان کیا ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں (مؤطا امام مالک ص: ۷۹،) اور ظاہر یہی ہے کہ ان کا یہ عمل اتباعِ رسول ہی کی وجہ سے ہوگا، اور جو دیگر احادیث میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد بطورِ دعاء سورۂ فاتحہ پڑھنا ہے اور احناف اس کے قائل ہیں، چنانچہ علماء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر بنیتِ دعاء سورۂ فاتحہ پڑھلی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں (البحر الرائق: ۱۹۷/۲) اور بہت سے صحابہ وتابعین کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے، ابن وھبؒ بہت سے حضرات اھلِ علم سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، فضالہ بن عبید، ابوھریرہ، جابر بن عبداللہ، واصلۃ بن الاسقع، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، ابن المسیب، ربیعہ، عطاء بن ابی رباح، یحیی بن سعید، نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے اور امام مالک نے فرمایا کہ ہمارے شہر (مدینہ) میں بھی اس کا رواج نہیں ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ: ۱۵۸/۱ و ۱۵۹)

پھر دوسری تکبیر کہکر درود شریف پڑھا جائے جیسے کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے۔(۱)
پھر تیسری تکبیر کہہ کر میت کے لیے دعاء کریں، اگر میت بالغ مرد یا عورت ہے تو یہ دعاء پڑھیں:

﴿ اَللّٰهُمّ اغْفِرْ لَهٗ وَ ارْحَمْهُ وَ عَافِهٖ وَ اعْفُ عَنْهُ وَ اَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَ الْبَرْدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَ اَبْدِلْهُ دَاراً خَيْراً مِنْ دَا رِهٖ وَ اَهلاً خَيْراً مِنْ اَهْلِهٖ وَ زَوْجاً خَيْراً مِنْ زَوْجِهٖ وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النّاَرِ ﴾(۲)

یا یہ دعاء پڑھی جائے:

﴿ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِناَ وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِناَ وَ كَبِيْرِناَ وَ ذَكَرِناَ وَ اُنْثَانَا ، اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ ﴾(۳)

---

(۱) حضرت ابواُمامہ بن سھل بن حنیفؓ نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تو تکبیر کہے پھر سورۂ فاتحہ پڑھے پھر (تکبیر کہکر) نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر (تکبیر کہکر) میت کے لیے خالص دعاء کرے الخ ۔ اخرجه ابن الجارود فی المنتقیٰ: ۵۴۰، و عبد الرزاق : ۶۴۲۸، والبیهقی فی السنن : ۷/۲۰۶۱، والحاکم فی المستدرک : ۱/ ۳۶۰،اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بھی ایسا ہی آیا ہے (البیہقی :۷،۲۰۶۲) اور حضرت ابوھریرہؓ کا عمل اس سے اوپر والے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔
(۲) مسلم: ۱۶۰۰،نسائی: ۱۹۰۷،ابن ماجہ: ۱۴۸۹،احمد: ۲۲۸۵،ترمذی مختصرا: ۹۴۶،ابن ابی شیبہ: ۳/۱۷۶،(۳) ترمذی: ۹۴۵،ابن ابی شیبہ: ۳/۱۷۷، نیز اس کو احمد: ۱۶۸۸۵،نسائی: ۱۹۶، ابن الجارود: ۵۴۱ نے پہلے جملہ تک روایت کیا ہے۔

اور میت اگر نابالغ ہو تو لڑکے کے لیے یہ دعاء پڑھیں:

﴿ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطاً وَّ اجْعَلْهُ لَنَا اَجْراً وَّ ذُخْراً وَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا ﴾

اور نابالغ لڑکی ہو تو اسی دعاء کو اس طرح پڑھیں:

﴿ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطاً وَّاجْعَلْهَا لَنَا اَجْراً وَّ ذُخْراً وَّ اجْعَلْهَالَنَا شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً ﴾.(۱)

پھر چوتھی تکبیر کہکر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔(۲)

---

(۱) امام بخاریؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے تعلیقا روایت کیا ہے کہ وہ بچہ پر یہ دعاء پڑھتے تھے: ﴿اللّٰھم اجعله لنا سلفا و فرطا و اجرا ﴾ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا کہ اس اثر کو عبد الوھاب بن عطاء نے اپنی کتاب الجنائز میں موصولا روایت کیا ہے (فتح الباری: ۲۰۳/۳) اور حافظ ہی نے التلخیص الحبیر میں جامع سفیانؒ کے حوالہ سے بھی اس کو نقل کیا ہے، نیز بیہقی کے حوالہ سے حضرت ابوھریرہؓ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ بچہ پر یہ دعاء پڑھتے تھے: ﴿ اللّٰھم اجعله لنا فرطا و سلفا و اجرا ﴾ (التلخیص الحبیر : ۱۲۳/۲) اس دعاء کے علاوہ حضرت ابوھریرہؓ سے ایک دوسری دعاء بھی بچہ کے لیے منقول ہے اور وہ یہ ہے: ﴿ اللّٰھم اَعِذْهُ من عذاب القبر ﴾ (مؤطا امام مالک : ۴۸۰) غرض یہ کہ اس سلسلہ میں گنجائش ہے کہ جو دعاء چاہے پڑھے۔

(۲) حضرت ابراھیم الھجری کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے ان کی لڑکی کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں پھر چوتھی تکبیر کے بعد کچھ دیر ٹھہر گئے حتّٰی کہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ وہ پانچویں تکبیر کہیں گے، پھر انہوں نے اپنی داہنی اور بائیں طرف سلام پھیر دیا، جب وہ مڑے تو ہم نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جو کرتے دیکھا ہے اس سے کچھ زیادہ نہیں کیا ہے۔ (سنن البیھقی : ۷۰۸۷) امام نوویؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (الاذکار: ۱۷۱) اور حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیر دے۔ (نسائی: ۱۹۶۳) یاد رہے کہ روایات میں اس سلسلہ میں اختلاف ملتا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے یا نہیں اور سلام ایک طرف پھیرنا ہے یا دونوں طرف؟ اوپر جو مذکور ہوا وہ احناف کا مسلک ہے۔

یہ ہے نمازِ جنازہ کا مکمل طریقہ۔

۞ نمازِ جنازہ کے چند اہم مسائل:

نمازِ جنازہ کے چند اہم مسائل یہاں لکھے جاتے ہیں:

☆ مستحب ہے کہ کم از کم تین صفیں بنائی جائیں، اگر لوگ زیادہ ہوں تو پانچ یا سات یا اس سے زیادہ بھی بنائی جا سکتی ہیں، البتہ طاق عدد ہونا مستحب ہے۔ اس بارے میں حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

☆ نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ [(۱)]

فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بعض لوگ اس کو ادا کر دیں گے تو دوسروں سے ساقط ہو جاتا ہے۔

☆ عام نمازوں میں جو شرائط ہیں وہ اس نماز کے لیے بھی ضروری ہیں جیسے نیت کرنا، قبلہ رخ ہونا، ستر کا چھپانا، جگہ کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، بدن کا پاک ہونا، مگر اس میں وقت کی شرط نہیں ہے۔ [(۲)]

☆ نمازِ جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ
میت مسلمان ہو، کافر کی نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔

میت کو غسل دیکر پاک کر دیا گیا ہو کفن پاک ہو بدن پاک ہو نماز کے لیے جس جگہ میت رکھی گئی ہو وہ جگہ پاک ہو میت کا ستر چھپا ہوا ہو۔ [(۳)]

☆ جن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ان سے نمازِ جنازہ بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ [(۴)]

☆ سورج کے طلوع ہونے، غروب ہونے، اور زوال کے وقت نمازِ جنازہ مکروہ ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے اور

---

(۱) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۵۱۶/۱، شرح المہذب: ۱۶۹/۵، فتح القدیر: ۱۲۰/۲ (۲) شامی: ۲۰۷/۲، (۳) درمختار مع شامی: ۲۰۷/۲، (۴) البحر الرائق: ۱۸۰/۲

مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا ہے۔(۱)

☆ جو بچہ مر کر پیدا ہو، اس پر نمازِ جنازہ نہیں ہے اور جو پیدا ہو کر مر جائے اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بچہ پر نماز نہیں پڑھی جائے گی اور نہ وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ کوئی دوسرا اس کا وارث ہوگا جب تک کہ وہ آواز نہ کرے۔(۲)

☆ اگر ایک ہی وقت میں کئی جنازے آجائیں تو بہتر یہ ہے کہ سب پر الگ الگ نماز پڑھی جائے اور اگر ایک ہی نماز سب کے لیے پڑھنا چاہیں تو بھی جائز ہے، اور اس صورت میں دو طرح جنازوں کی ترتیب ہوسکتی ہے:

ایک یہ کہ ایک جنازے کے آگے دوسرا رکھا جائے اس طرح کہ ایک کے سر کے پاس دوسرے کا پیر ہو۔

اور اس صورت میں ان میں سے جو سب سے افضل آدمی ہو اس کے پاس کھڑے ہو کر امام نماز پڑھائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جنازے کے سامنے دوسرا رکھا جائے جیسے اس شکل میں ہے۔ یہ صورت پہلی صورت سے بہتر ہے۔ اس صورت میں جنازوں کی ترتیب اس طرح ہونی چاہئے کہ امام سے قریب مرد کا جنازہ پھر بچے کا پھر عورت کا ہو۔(۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نو جنازوں کو اس ترتیب سے رکھا کہ امام سے قریب مردوں کے جنازے اور قبلہ سے قریب عورتوں کے جنازے تھے، سب کو ایک

---

(۱) مسلم: ۱۳۷۳، ابوداؤد: ۲۷۷۷، نسائی: ۷۵۵، ترمذی: ۹۵۱، ابن ماجہ: ۱۵۰۸، احمد: ۱۶۷۳۸، دارمی: ۱۳۹۶ (۲) ترمذی: ۹۵۳، ابن ماجہ: ۱۴۹۷، دارمی: ۲۹۹۷، طحاوی: ۲۴۵/۱، حاکم: ۳۶۳/۱، موارد الظمآن: ۱۲۲۳ (۳) درمختار مع شامی: ۲۱۹/۲، المبسوط للسرخسی: ۶۵/۲

صف بنا دیا۔ (۱)

اور حضرت ابن عمرؓ ہی نے حضرت ام کلثوم بنت علیؓ اور ان کے لڑکے کے جنازے کو بھی ایک صف میں رکھا اور لڑکے کو امام سے قریب رکھا اور نماز پڑھائی، اس پر حضرت عمار مولی حارث بن نوفلؓ نے انکار کیا اور اس وقت حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوسعیدؓ حضرت ابوقتادہؓ اور حضرت ابوھریرہؓ بھی وہاں موجود تھے ان سب حضرات نے فرمایا کہ یہی سنت ہے۔ (۲)

☆ ولی کی اجازت کے بغیر کسی ایسے آدمی نے نماز پڑھادی جس کو حق نہیں تو ولی دوبارہ نماز پڑھ سکتا ہے، جبکہ اس نے نماز نہ پڑھی ہو اور اگر نماز پڑھ لیا ہو یا کسی کو خود اجازت دیا ہو یا ایسے آدمی نے نماز پڑھائی ہو جس کو اس کی اجازت کے بغیر پڑھانے کا حق ہے جیسے محلّہ کا امام یا شہر کا قاضی تو پھر دوبارہ پڑھنے کا حق نہ ہوگا۔ (۳)

☆ اگر نماز پڑھے بغیر کسی کو دفن کر دیا گیا تو جب تک کہ یہ یقین ہو کہ میت پھٹی نہیں ہے تو اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جو تازہ تھی اور پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے تو صحابہؓ نے بتایا کہ فلاں کی ہے تو آپ نے قبر پر نماز پڑھی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے اقتداء کی۔ (۴)

☆ اگر نمازِ جنازہ شروع ہونے کے بعد کوئی آئے تو انتظار کرے کہ امام تکبیر کہے، جب وہ تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہکر شامل ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد چھوٹی ہوئی تکبیروں کو قضا کر لے اور اگر میت کو اٹھا لیا جائے تو ان تکبیروں میں دعاء نہ پڑھے۔ (۵)

---

(۱) بیہقی: ۷۰۱۹، نیز حضرت ابوھریرہؓ حضرت علی، حضرت واثلہ بن الاسقع سے بھی یہی طریقہ مروی ہے (دیکھو: ابن ابی شیبہ: ۱۹۶/۳ تا ۱۹۸، وبیہقی: ۳۵۴/۵ تا ۳۵۵) (۲) ابوداؤد: ۲۷۷۸، نسائی: ۱۹۵۱، بیہقی: ۷۰۲۰، (۳) البحر الرائق: ۱۸۱/۲، درمختار: مع شامی: ۲۲۲/۲ (۴) بخاری: ۱۱۷۰، مسلم: ۱۵۸۶، نسائی: ۱۹۹۷ ابوداؤد: ۲۷۸۱، ابن ماجہ: ۱۵۱۹، احمد: ۲۹۶۸ (۵) المبسوط للسرخسی: ۶۶/۲، البحر الرائق: ۱۸۵/۲، درمختار: مع شامی: ۲۱۷/۲

نمازِ جنازہ میں شریعت کی خلاف ورزیاں:

نمازِ جنازہ میں جو امور محض رسم و رواج یا جہالت کی بنا پر کئے جاتے ہیں، وہ بہت سی ہیں مثلاً:

تکبیرات پر گردن اٹھانا:

تکبیر کہتے وقت بعض لوگ آسمان کی طرف گردن اٹھاتے ہیں، یہ محض بے اصل بات ہے، بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یا تو یہ لوگ جو نماز میں دعاء کے وقت اپنی آنکھوں کو آسمان کی جانب اٹھاتے ہیں، باز آجائیں یا ان کی آنکھیں اُچک لی جائیں گی۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف نہ اٹھاؤ کہ کہیں آنکھیں اُچک نہ لی جائیں۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اوپر کی طرف نظر اٹھانا ناجائز ہے اور اس پر وعید ہے اور نمازِ جنازہ بھی ایک طور پر نماز ہے، لہٰذا اس میں بھی اس کی اجازت نہ ہوگی، اور گردن اٹھانا تقریباً نظر اٹھانے کے برابر ہے، مگر بعض لوگ ہر تکبیر پر یہ حرکت کرتے ہیں جو بے اصل اور ممنوع ہے۔

صفوں میں سجدے کے لیے جگہ چھوڑنا:

نمازِ جنازہ میں نہ رکوع ہوتا ہے نہ سجدہ، یہ سب کو معلوم ہے۔ مگر بعض جگہ نمازِ جنازہ کے وقت صفوں کے درمیان سجدہ کرنے کے برابر جگہ چھوڑتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ایک

---

(۱) بخاری: ۷۰۸، مسلم: ۶۵۰، نسائی: ۱۱۸۰، ابو داؤد: ۹۷۷، ابن ماجہ: ۱۰۳۴، احمد: ۱۱۶۲۲، دارمی: ۱۲۲۹، (۲) نسائی: ۱۱۸۱، احمد: ۱۵۰۹۸

بے اصل اور فضول کام ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاویٰ دار العلوم میں اس کو بے اصل و بے ضرورت قرار دیا ہے۔ (۱)

۞ نمازِ جنازہ کے بعد دعاء و فاتحہ:

نمازِ جنازہ کے بعد جنازہ کو تدفین کے لیے لیکر چلنا چاہئے، اس لیے نماز کے بعد جو بعض جگہ لوگ لمبی لمبی دعائیں اور اس میں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، یہ صحیح نہیں بلکہ حضراتِ فقہاء کرام نے بصراحت نمازِ جنازہ کے بعد دعاء کو مکروہ قرار دیا ہے، علامہ ابنِ نجیم مصریؒ نے بحوالہ خلاصہ فرمایا ہے کہ "**لایدعو بعد التسلیم** " کہ (نمازِ جنازہ میں) سلام پھیرنے کے بعد دعاء نہ کرے۔ (۲)

ملا علی قاریؒ شرحِ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ [**ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ**] (۳)

(یعنی نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے دعاء نہ کی جائے کیونکہ یہ نمازِ جنازہ میں اضافہ کے مشابہ ہے)

اور فقہ حنفی کی مستند کتاب محیط میں دعاء بعد الجنازہ کو مکروہ لکھا ہے۔ (۴)

اسی طرح دوسری کتبِ فقہ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعاء کا رواج ایک بدعت اور دین میں اضافہ کی طرح ہے۔ اور اس میں فاتحہ مروجہ کا اضافہ "کریلا اور نیم چڑھا" کا مصداق ہے کیونکہ فاتحہ مروجہ کا بھی کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے اور یہ بھی "ایجادِ یاران" کی قبیل سے ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ (۵)

---

(۱) فتاوٰی دار العلوم: ۲۸۹/۵، (۲) البحر الرائق: ۱۸۳/۱، (۳) مرقاۃ شرح المشکوٰۃ ۶۴/۴

(۴) بحوالہ راہِ سنت، ص: ۲۰۶، از مولانا سرفراز احمد خان صاحب زیدمجدھم (۵) اس سلسلہ میں اکابر علماء کے فتاوٰی ایک مختصر رسالہ میں "جمعیتِ بیداہلِ سنت والجماعت" محلّہ بیدواڑی بنگلور کی طرف سے شائع کئے گئے تھے اس میں اس مسئلہ کی تحقیق دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ کہنا کہ ہم اللہ کا کلام ہی تو پڑھ رہے ہیں یا یہ کہ اللہ سے دعاء ہی تو کر رہے ہیں، اس میں کیا خرابی ہے؟ یہ کوئی شرعی اندازِ فکر نہیں ہے۔ دیکھئے عبادات کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی بات تجویز کرنا اسلام میں جائز نہیں، ایسی باتوں کو بدعت اور دین میں اضافہ کہتے ہیں۔ پھر غور کیجئے کہ اگر نمازِ جنازہ کے بعد دعاء اور فاتحہ کوئی ثواب کی بات ہوتی تو بڑے بڑے فقہاء اس سے کیوں منع کرتے؟ کیا ان حضرات کو ثواب کی حرص نہ تھی؟ کیا وہ حضرات اچھی اور ثواب کی باتوں سے منع کر دیتے؟ معلوم ہوا کہ ان باتوں کا شریعت میں کوئی جواز نہ تھا اسی لیے ان حضرات نے ان سے منع کیا ہے اور وہ حضرات دین کو ہم سے زیادہ سمجھتے تھے اور دین پر چلنے کا ہم سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور سارا دین اور اس کی ساری جزئیات ان کی نگاہ میں تھیں، اگر انہوں نے اس سے منع کیا ہے تو ہم کو اس سے احتراز واجتناب ضروری ہے۔

۞ نمازِ جنازہ میں لوگوں کا انتظار:

عام طور پر لوگ جماعت کی کثرت کے خیال سے نمازِ جنازہ میں تاخیر کرتے ہیں اور لوگوں کا انتظار کرتے ہیں، اسی طرح جمعہ کی رات میں بلکہ جمعرات کے دن مرنے والے کی نمازِ جنازہ جمعہ میں پڑھتے ہیں تاکہ زیادہ لوگ شرکت کریں مگر یہ رسم غلط اور احکامِ شرعیہ کے خلاف ہے، کیونکہ حکم یہ ہے کہ جلدی سے جلدی میت کو اس کی منزل تک پہنچا دیا جائے جیسا کہ اوپر حدیث نقل کر چکا ہوں۔ درمختار میں ہے کہ نمازِ جنازہ اور تدفین میں اس لیے تاخیر کرنا کہ جمعہ کے بعد ایک عظیم مجمع نمازِ جنازہ پڑھے، مکروہ ہے۔[۱]

حضرت مرشدی مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس مسئلہ کی فقہاء نے تصریح فرما دی ہے کہ اگر جمعہ سے قبل تدفین ممکن ہے

(۱) درمختار مع شامی: ۲/۲۳۲

تو جمعہ کا انتظار جائز نہیں۔ تھوڑے آدمی سنت اور رضائے حق کے مطابق نجات و مغفرت کے لیے کافی ہیں، برعکس کثیر تعداد کے جو خلافِ سنت اور خلافِ رضائے حق ہو، یہ کچھ مفید نہیں۔ (۱)

مسجد میں نمازِ جنازہ:

مسجد کے اندر جنازہ لیجانا اور نماز جنازہ پڑھنا، علماء حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ناجائز اور مکروہ ہے اگرچہ امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک میں یہ جائز ہے۔ مگر ہمارے ان علاقوں میں احناف کی مساجد میں بھی یہی رواج پڑا ہوا ہے کہ جنازہ مساجد میں لاکر نماز پڑھتے ہیں۔ حالانکہ علماء احناف کا مسلک احادیث کی روشنی میں صحیح ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے ان کے جنازہ کو مسجد میں لیجانے کو کہا، اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ:

﴿ ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد ﴾ (۲)

(یعنی جنازے مسجد میں داخل نہیں کئے جاتے تھے)

اور بیہقی کی ایک روایت میں یہ اعتراض ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

﴿هذه بدعة ، ما كانت الجنازة تدخل المسجد﴾. (۳)

نیز احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی مسجد سے قریب مگر مسجد سے الگ جنازوں کے لیے ایک جگہ بنی ہوئی تھی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک یہودی مرد و عورت کو زنا کی سزا میں حضرت نبی کریم ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں رجم کئے گئے مسجد کے پاس جنازوں کی جگہ کے قریب۔ (۴)

---

(۱) مجالسِ ابرار: ۱/۸۸ (۲) مسلم: ۱۶۱۶، یہ اعتراض والی بات امام احمد نے اپنی مسند: ۲۳۳۵۸، اور امام مالک نے موطا: ۴۸۴، اور بیہقی نے سنن الکبریٰ: ۳۹۴/۵، میں بھی روایت کی ہے۔
(۳) بیہقی: ۱۳۴/۷، (۴) بخاری: ۱۲۴۳

اور یہی واقعہ دارمی میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

فَرُجِمَا قريبا من حيث توضع الجنائز عند المسجد (۱)

اور اس کا حاصل بھی وہی ہے، غرض یہ کہ آپ ﷺ کے زمانے میں جنازوں کے لیے الگ ایک جگہ ہوتی تھی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿**من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له**﴾. (۲)

(یعنی جو شخص مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھے اس کے لیے کچھ اجر نہیں)

معلوم ہوا کہ مسجد میں نمازِ جنازہ مکروہ و ناجائز ہے۔ رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل، پھر صحابہ و تابعین کے اعتراض پر ان کا یہ جواب دینا کہ حضور ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھا تھا، تو یہ حجت نہیں کیونکہ کسی ضرورت کی بنا پر حضرت نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا ہوگا۔ اور ضرورت پر احناف کی یہاں بھی مسجد میں جنازہ لیجانے کی اجازت ہے، مثلاً بارش ہو جس سے باہر نماز نہ پڑھ سکتے ہوں۔ (۳)

اور حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ اس وقت اعتکاف میں

---

(۱) دارمی: ۲۲۸۱ (۲) طحاوی: ۱/۲۳۷، ابو داؤد: ۲۷۷۹، ابن ماجہ: ۱۵۰۶، احمد: ۹۳۵۳۰، قال الراقم: و هذ الحديث مداره على ابن ابى ذئب مولى التوأمة عن ابى هريرة رضي الله عنه و قد ضعف بعض المحدثين هٰذا الحديث لانه تفرد به صالح و هو ضعيف، قال الرقم: ان صالحا مختلف فيه وقد وثقه العجلى و ابن معين فى رواية وقال احمد: صالح الحديث، لااعلم به بأسا (كما فى التهذيب: ۴/ ۴۰۶) والعلة فيه الاختلاط ورواية القدماء عنه مقبولة و هٰذا الحديث روى عنه ابن ابى ذئب وهو من اصحابه القدماء كما فى التهذيب ايضا، فالحديث محتج به و مقبول وقد حسنه العلامة ابن القيم رحمه الله فى (زاد المعاد: ۱/۳۹۸) فثبت ان دليل الحنفية ثابت و قوى (و الله اعلم) (۳) شامی: ۲/۲۲۶،

تھے اس لیے مسجد میں جنازہ لایا گیا۔ (۱)

غرض یہ کہ بلا عذر مسجد میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔ مگر افسوس کہ آج اکثر احناف کی مساجد میں اس مکروہ کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے پاس جائز ہے اس لیے ہم اس کو لیتے ہیں مگر یہ بات کس قدر غلط ہے کہ بلا دلیل و وجہ اپنے امام کے مسلک کو ترک کر کے دوسرے امام کے مسلک کو لیا جائے؟ پھر کیا ان لوگوں نے دلیل جان کر اور امام شافعیؒ کی دلیل کو مضبوط پا کر اپنے امام کا مسلک ترک کیا ہے؟

جنازہ اُٹھانے کے احکام

✿ جنازہ میں شرکت کا ثواب:

جنازہ میں شرکت کرنا موجبِ ثواب ہے، حدیث میں ہے کہ جو جنازہ کے ساتھ اس کے گھر سے نکلے، پھر اس پر نماز پڑھے، پھر اس کے ساتھ جائے، حتّٰی کہ تدفین ہو جائے تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا، اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور جو نماز پڑھکر واپس ہو جائے تو اس کو ایک اُحد پہاڑ کے برابر ثواب ملے گا۔ (۲)

اس لیے کوشش کرنا چاہئے کہ جنازہ میں شرکت کی جائے۔

✿ جنازہ اُٹھانے کا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو جنازہ کے پیچھے چلے اس کو چاہئے کہ وہ اس کے تمام جانبوں کو اُٹھائے کیونکہ یہ سنت ہے، پھر اگر چاہے تو مزید اُٹھائے، اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ (۳)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے جنازے کے چاروں

---

(۱) حاشیہ مشکوٰۃ: ص: ۱۴۵ (۲) بخاری: ۴۵، مسلم: ۱۵۷۴، و بلفظ آخر ترمذی: ۹۶۱، نسائی: ۴۹۴۶، ابوداؤد: ۲۷۵۵، ابن ماجہ: ۱۵۲۸، احمد: ۹۵۲۴۰ (۳) ابن ماجہ: ۱۴۶۷

جانبوں کو (یکے بعد دیگرے) اُٹھایا۔(۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے جنازہ کے چاروں پایوں کو اُٹھایا اس نے اپنی ذمہ داری پوری کردی۔(۲)

ان روایات کی بنا پر ہمارے علماء نے فرمایا کہ جنازہ کو چار آدمی چاروں طرف سے اُٹھائیں، اور اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے جنازہ کے سامنے کا پایہ اپنے داہنے کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، پھر جنازہ کے پیچھے کا پایہ اپنے کندھے پر رکھ کر (کم از کم) دس قدم چلے، پھر جنازہ کا سامنے کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے، پھر اس کے پیچھے کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے۔(۳)

یہ طریقہ بڑے جنازہ کے لیے ہے، اور اگر جنازہ بچہ کا ہو، جس کو ہاتھوں میں اُٹھایا جا سکتا ہو تو اس کو ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھالے، پھر دوسرا اسے اسی طرح لے لے، اور اسی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ بدلتے ہوئے اس کو لیجائیں۔(۴)

چند مسائل:

(۱) جنازہ لے کر چلنے میں درمیانی چال اختیار کریں کہ نہ بہت آہستہ چلیں اور نہ بہت تیز، جس سے میت کو جھٹکے لگیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں جلدی کرو، کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو وہ خیر ہے جس کی طرف تم اس کو لیجاؤ گے اور اگر برا ہے تو وہ شر ہے جس کو تم اپنے کندھوں سے اُتارو گے۔(۵)

اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ لیکر چلنے میں جلدی کرنا چاہئے مگر بہت جلدی و

---

(۱) رواہ عبدالرزاق: ۶۵۲۰ وابن ابی شیبہ: ۱۶۸/۳ (۲) رواہ عبدالرزاق: ۶۵۱۸ (۳) درمختار مع شامی: ۲۳۱/۲، بدائع الصنائع: ۳۰۹/۱، تحفۃ الفقہاء: ۲۴۴/۱، مراقی الفلاح: ۱۴۷ (۴) البحر الرائق: ۱۹۱/۲، درمختار مع شامی: ۲۳۱/۲، بدائع الصنائع: ۳۰۹/۱، وغیرہ (۵) اس حدیث کی تخریج وحوالہ ص: ۳۲۴ پر مفصلاً گزرا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

تیزی نہیں، کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بہت تیزی سے ایک جنازہ لیکر جارہے تھے جس کی وجہ سے میت کو بہت حرکت ہورہی تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ جنازوں میں تم پر درمیانی چال لازم ہے۔ (۱)

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جنازہ کو لیکر کس طرح چلا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ " **دون الخبب** " (یعنی دوڑنے سے کم ہو)۔ (۲)

(۲) جنازہ کے ساتھ عورت کا جانا منع ہے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم کو یعنی عورتوں کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا۔ (۳)

(۳) جنازہ کو کندھے پر سامان کی طرح لادکر نہ لے جانا چاہئے، بلکہ اکرام و اعزاز کے ساتھ ہاتھوں سے پکڑ کر کندھے پر رکھنا چاہئے۔ (۴)

❁ جنازہ کے ساتھ منکرات:

جنازہ کے ساتھ بھی بعض غیر شرعی رواجات ورسومات کو عوام میں چلن حاصل ہوگیا ہے جن کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

❁ عورت کے جنازہ پر سرخ چادر:

جنازے پر کوئی چادر پردے کے لیے ڈالدینا اچھا ہے، اوراس میں کسی خاص قسم یا رنگ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، مگر عام طور پر ایک رواج چل گیا ہے کہ عورت اور خاص طور پر نئی نویلی دلہن کے مرجانے پر اس کے جنازے پر سرخ چادر ڈالتے ہیں یہ شرعاً بے اصل اور غلط رواج ہے۔

---

(۱) احمد : ۱۸۸٦۴، ابن ماجہ : ۱۴٦۸ (۲) ترمذی : ۹۳۲، ابو داؤد : ۲۷٦۹، احمد : ۳۵۴۷
(۳) بخاری : ۳۰۲، مسلم : ۱۵۵۵، ابوداؤد : ۳۷۵۴، ابن ماجہ : ۱۵٦٦، احمد : ۲٦۰۴ (۴) البحر الرائق : ۱۹۱/۲، درمختار مع شامی : ۲۳۱/۲

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

بعض جگہ یہ غلط رواج ہے کہ نوجوان لڑکی یا نئی دلہن مرجاتی ہے تو اس کے جنازے پر سرخ چادر یا زری گوٹہ کا ڈوپٹہ ڈالتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔(۱)

جنازے پر پھولوں کی چادر:

جنازے پر پھولوں کی چادر ڈالنے کا بھی عام رواج ہے اور اس کو بعض لوگ میت کا حق یا اس کے ساتھ ہمدردی خیال کرتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھول چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اس لیے ان کو میت پر ڈالنے سے ذکر کی برکت سے عذاب میں تخفیف اور ثواب میں اضافہ ہوتا ہے مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ، تابعین، وتبع تابعین، اولیاء اللہ وائمہ اسلاف نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ کیا وہاں پھول نہ تھے یا ان کی چادر نہ بن سکتی تھی یا وہ میت کی ہمدردی وغم خواری کے جذباتِ نیک سے خالی تھے؟ یا یہ کہ ان حضرات کو پھولوں کا ذکر کرنا معلوم نہ تھا؟

آخر کیا بات تھی کہ انہوں نے نہ یہ بات سوچی اور نہ ایسا کام کیا؟

ظاہر ہے کہ اگر یہ کام ثواب کا ہوتا یا اس میں کوئی بھی فائدہ ہوتا، تو یہ حضرات ضرور اسکو کرتے اور ان کا عمل نقل ہوکر ہم تک پہنچتا۔ لیکن جب ان حضرات نے نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کام ثواب کا نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے، اس لیے یہ ایک بدعت ہے۔ بعض لوگ اس بدعی کام کے لیے ایک حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں، وہ یہ کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دو قبروں پر درخت کی ایک شاخ کو دو حصوں میں کرکے لگایا اور فرمایا کہ یہ شاخ جب تک تازہ رہے گی ان دو قبر والوں پر عذاب میں کمی ہوگی۔ اس حدیث پر کلام اور اس کی تشریح آگے چل کر عنوان "قبروں پر پھولوں کی چادر" کے تحت آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور وہیں یہ معلوم ہوگا کہ اس

(۱) اغلاط العوام بترتیب مولانا مہربان علی صاحبؒ: ۲۰۸

حدیث سے ان لوگوں کا یہ استدلال کس قدر کمزور اور لایعنی ہے۔ غرض یہ کہ یہ سب فضول کام ہیں ان سے بچنا چاہئے اور اصل چیز جو میت کے لیے مفید ہے یعنی ایصالِ ثواب کی نیت سے خیرات و صدقات اور ذکر و تلاوت وغیرہ ان میں مشغول ہونا چاہئے۔

جنازے کے ساتھ ذکرِ جہری:

جنازے کے ساتھ اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرتے ہوئے یا موت کے احوال پر غور کرتے ہوئے چلنا چاہئے مگر زور سے ذکر، دعاء، تلاوت مکروہ ہے۔ (۱)

کیونکہ اس موقعہ پر زور سے ذکر و تلاوت کو صحابہ و اسلاف نے بلکہ خود حضرت نبی کریم ﷺ نے ناپسند کیا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموش رہنے کو پسند کرتا ہے، تلاوتِ قرآن، جنگ اور جنازہ کے وقت۔ (۲)

حضرت قیس بن عبادؒ جو اکابر تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ تین جگہ آواز بلند کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے، ایک جنازہ کے ساتھ، دوسرے جنگ میں، تیسرے ذکر یعنی وعظ کے وقت۔ (۳)

حضرت قیسؒ ہی سے منقول ہے کہ حضراتِ صحابہ جنازے، ذکر اور جنگ کے وقت آواز پست رکھنے کو پسند کرتے تھے۔ (۴)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

''جنازے کے ساتھ آواز بلند کرنا پسندیدہ نہیں، نہ ذکر سے نہ تلاوت سے اور نہ کسی اور چیز سے، یہی ائمہ اربعہ کا مذھب ہے اور یہی حضراتِ سلف، صحابہ و تابعین

(۱) الاذکار للنووی: ۱۷۱، بدائع الصنائع: ۳۱۰/۱ (۲) تفسیر ابن کثیر: ۲۱۹/۲، (۳) بحوالہ البحر الرائق: ۵/۲ ۷ (۴) ابن ابی شیبہ: ۱۶۰/۳

سے مروی ومنقول ہے، میں اس میں کسی کا اختلاف نہیں پاتا۔(۱)

جنازے کے ساتھ زور سے ذکر وتلاوت کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔(۲) بلکہ حضرت ابراھیم النخعیؒ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں کہ کوئی شخص جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے کسی سے یوں کہے کہ میت کے لیے استغفار کرو کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے گا، وہ فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاء وغیرہ سے بھی آیا ہے۔(۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ بعض بعض جگہ خصوصا دیہاتوں میں جو جنازے کے ساتھ زور سے ذکر وتلاوت کرتے ہیں، یہ مکروہ ہے۔ جب یہی مکروہ ہے تو اشعار و قصائد و مرثیہ نامہ پڑھنے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

سواری پر جنازہ:

بہت سے لوگ غیر قوموں کی تقلید میں جنازے کو سواری پر لیجاتے ہیں، اور اس کو فخر محسوس کرتے ہیں اور اس کیلیے مستقل آمبولینس بھی ملتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ بلاضرورت جنازے کو سواری پر لے جانا مکروہ ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔(۴)

لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے، پھر اس میں غیر قوموں سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ عیسائی اور ہندو قوموں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے مُردوں کو سواری پر لے جاتے ہیں اور غیر قوموں سے مشابہت بھی اسلام میں ناجائز ہے۔ البتہ کوئی عذر ہو تو سواری پر لے جانے کی اجازت ہے، مثلاً اُٹھانے والے ایک دو ہی آدمی ہوں یا

---

(۱) فتاوٰی ابن تیمیہؒ: ۲۹۴/۲۴، (۲) درمختار مع شامی: ۲۳۳/۲، عالمگیری: ۱۶۲/۱، المبسوط للسرخسی: ۲/۲ (۳) کتاب الآثار لابی یوسفؒ: ۷۶، ابن ابی شیبہ: ۱۵۹/۳ (۴) تحفۃ الفقہاء: ۲۴۴/۱، البحر الرائق: ۱۹۱/۲، درمختار مع شامی: ۲۳۱/۲

قبرستان اتنی دور ہو کہ اُٹھا کر لے جانا مشکل ہو تو سواری پر لے جانا مکروہ نہیں ہے۔ (۱)

جنازے کے ساتھ سواری پر جانا:

بعض لوگ جنازے کے ساتھ بھی اپنی سواریوں پر جاتے ہیں، یہ بھی مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ ایک جنازے کے ساتھ جارہے تھے، آپ کے خادموں میں سے کسی نے سواری پیش کی تو آپ نے اس پر سوار ہونے سے انکار کردیا، پھر جب (تدفین کے بعد) واپس لوٹے تو پھر سواری پیش کی گئی اور اس پر سوار ہوگئے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ فرشتے چل رہے تھے لھذا میں سوار نہ ہوا، اور جب وہ چلے گئے تو میں سوار ہوگیا۔ (۲)

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ جنازے کے ساتھ سواری پر جارہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ فرشتے چل کر جارہے ہیں، اور تم جانوروں کی پشت پر سوار ہو۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت جنازے کے ساتھ سواری پر جانا پسندیدہ نہیں، ہاں کوئی ضرورت ہو مثلاً کوئی بیمار یا بوڑھا ہے یا قبرستان بہت دور ہے تو اس کی اجازت ہے، چنانچہ حدیث میں جو آیا ہے کہ ﴿ الراکب خلف الجنازۃ ﴾ سوار جنازے کے پیچھے آئے۔ (۴)

اس کو ہمارے علماء نے عذر پر محمول کیا ہے، ہاں واپسی کے وقت سواری پر آنا بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ اوپر حدیث سے معلوم ہوا۔ نیز اللہ کے رسول ﷺ نے، ابن الدحداح رضی اللہ عنہ کے جنازے سے واپسی پر سواری اختیار فرمائی تھی۔ (۵)

---

(۱) الطحطاوی علی المراقی: ۳۵۲، الفقہ علی المذاھب الاربعۃ: ۵۳۱/۱ (۲) ابوداؤد: ۲۷۶۳ (۳) ترمذی: ۹۳۳، ابن ماجہ: ۱۴۶۹ (۴) ابوداؤد: ۲۷۶۶، ترمذی: ۹۵۲، نسائی: ۱۹۱۶، ابن ماجہ: ۱۴۷۰، احمد: ۱۷۴۵۹ (۵) مسلم: ۱۶۰۴، ابوداؤد: ۲۷۶۴، ترمذی: ۹۳۴، نسائی: ۱۹۹۹، احمد: ۲۰۰۳۹

تدفین کے احکام :

اس کے بعد اب مرحلہ ہے میت کی تدفین کا، جس کے شرعی احکامات یہاں پر درج کئے جاتے ہیں :

✿ قبر کیسی ہو؟

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ قبر پر قبر کھودنے والے کو حکم فرمار ہے تھے کہ پیروں کے پاس وسیع و کشادہ کرو، سر کی جانب وسیع و کشادہ کرو۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہشام بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کو زخم پہنچا ہے، ہر انسان کے لیے قبر کھودنا مشکل ہے کیا کریں؟ آپ نے فرمایا کہ قبر کھودو اور اس کو کشادہ بناؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو گہری اور عمدہ بناؤ الخ۔ (۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبر کشادہ اور گہری ہونا چاہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قبر آدھے قد کے برابر گہری ہونا چاہئے اور اس سے زیادہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں مگر بہت گہری بنانا اچھا نہیں، اور قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر ہو اور عرض (چوڑائی) میت کے قد سے آدھا ہو۔ (۳)

اور قبر میں سنت یہ ہے کہ بغلی بنائی جائے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ اَللَّحدُ لَنَا وَ الشِّقُ لِغَيرِنَا ﴾ (یعنی بغلی قبر ہمارا طریقہ ہے اور صندوقی غیروں کا طریقہ ہے)۔ (۴)

---

(۱) رواہ ابوداؤد فی البیوع: ۲۸۹۴، واحمد: ۲۸۹۴، وقال ابن حجر: اسنادہ صحیح، (التلخیص الحبیر: ۲/۱۲۷،) (۲) ابوداود: ۲۸۰۰، ترمذی: ۱۶۳۵، نسائی: ۱۹۸۴، (۳) درمختار مع شامی: ۲/۲۳۴، البحر الرائق: ۲/۱۹۳، (۴) ابوداود: ۲۷۹۳، ترمذی: ۱۶۳۵، نسائی: ۱۹۸۲، ابن ماجہ: ۱۵۴۳، احمد: ۱۸۳۶۸، ابن ابی شیبہ: ۳/۱۲۷، عبدالرزاق: ۶۳۸۵

اورخود اللہ کے رسول ﷺ کے لیے بھی لحد یعنی بغلی قبر بنائی گئی تھی ، جیسا کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے لیے لحد بناؤاور اینٹ رکھوجس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا۔ (۱)

نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہؓ میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ آپ کے لیے لحد بنائی جائے یا شق بنائی جائے ؟ پھر صحابہ نے یہ تجویز کیا کہ لحد بنانے والے اور شق بنانے والے دونوں کو بلایا جائے اور جو ان میں سے پہلے آئے اس کو اس کا کام دیا جائے ، چنانچہ پہلے وہ صحابی آئے جو لحد بناتے تھے، لہٰذا آپ کے لیے لحد بنائی گئی۔ (۲)

بغلی قبر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کھود کر قبلہ کی طرف ایک گڑھا کھودا جائے جس میں میت کو رکھا جا سکے ،اور اگر زمین بہت نرم ہو کہ بغلی قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو،تو پھر صندوقی بھی بنا سکتے ہیں ،جس کا طریقہ یہ کہ قبر کے اندر زمین کے بیچ میں گڑھا کھودا جائے۔

۞ دفنانے کا طریقہ:

جب قبر تیار ہو جائے تو اس میں میت کو اُتارا جائے ،اس کا طریقہ یہ کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی طرف رکھا جائے ، اور اُتارنے والے قبلہ رو کھڑے ہو کر میت کو اُٹھائیں اور قبر میں اُتاریں کیونکہ میت کو قبلہ کی طرف سے اُتارنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ بنی کریم ﷺ

(ایک دفعہ) قبر میں اُترے اور میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا۔ (۳)

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یزید بن المکفف کو قبلہ کی طرف

---

(۱) ابن ماجہ: ۱۵۴۵، مسلم: ۱۶۰۶، نسائی: ۱۹۸۰، احمد: ۱۴۰۷ (۲) ابن ماجہ: ۱۵۴۷

(۳) ترمذی: ۹۷۷

سے قبر میں اُتارا، اسی طرح ابن الحنفیہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عباسؓ کو قبلہ کی طرف سے اُتارا۔(۱)

جب قبر میں اُتارے تو اُتارنے والا اور رکھنے والا یہ دعاء پڑھے:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ (۲)

بعض روایات میں "سنة" کی جگہ "ملة" آیا ہے۔ پھر میت کو داہنی کروٹ پر قبلہ رخ لٹا دیا جائے اور اس کے کفن کی گرہ کھول دی جائے، پھر کچھ اینٹوں سے بند کر دیا جائے جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا تھا۔(یہ حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے نو (۹) اینٹیں رکھی گئی تھیں۔(۳)

لہٰذا نو [۹] اینٹیں رکھنا سنت ہوگا، ضرورت ہو تو زائد بھی رکھی جا سکتی ہیں، مگر پکی اینٹیں رکھنے سے علماء نے منع کیا ہے، اسی طرح بانس کا قبر میں رکھنا درست تو ہے مگر لکڑی کے تختے رکھنا مکروہ ہے۔(۴)

البتہ زمین بہت نرم ہو جس کی وجہ سے قبر کے بیٹھ جانے کا خوف ہو تو پختہ اینٹ اور لکڑی بھی استعمال کر سکتے ہیں۔(۵)

عورت کو قبر میں رکھتے وقت کپڑے وغیرہ سے پردہ کرنا مستحب ہے، مرد کی قبر پر پردہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۶)

حضرت علیؓ نے حضرت قیسؒ کے جنازہ پر جب کپڑے سے پردہ کیا گیا، تو اس کو کھینچا اور فرمایا کہ یہ تو عورتوں کے ساتھ میں کیا جاتا ہے۔(۷)

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱۳۱/۱، (۲) ترمذی: ۹۶۷، ابوداؤد: ۲۷۹۸، ابن ماجہ: ۱۵۳۹، (۳) شرح مسلم للنووی: ۳۱۱/۱ (۴) درمختار مع شامی: ۲۳۶/۲، الجامع الصغیر: ۶۲، (۵) درمختار مع شامی: ۲۳۶/۲، (۶) الجامع الصغیر: ۹۲، الہدایۃ: ۱۶۲/۱ (۷) بحوالہ تلخیص الحبیر: ۱۲۱/۲

نیز حضرت حارث کے جنازے پر جب کپڑے سے پردہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کو کھینچ دیا۔ (۱)

ہاں اگر کوئی عذر ہو جیسے بارش ہو یا برف باری ہو یا سخت گرمی ہو تو مرد کی قبر پر پردہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

اس کے بعد قبر پر مٹی ڈالدی جائے، اس طرح کہ سرہانے کی طرف سے ہر آدمی تین تین مٹھی مٹی قبر میں ڈالے، حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، پھر قبر پر آئے اور تین مٹھی مٹی سر کی طرف سے ڈالی۔ (۳)

اور مٹی ڈالتے ہوئے پہلی مٹھی پر ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ﴾ دوسری مٹھی پر ﴿ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ﴾ اور تیسری مٹھی پر ﴿وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ پڑھا جائے۔ پھر بقیہ مٹی قبر پر ڈالدی جائے۔ (۴)

اس دعاء کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ام کلثومؓ کے انتقال پر اللہ نے بنی ﷺ نے ان کو قبر میں رکھتے ہوئے یہی پڑھا تھا۔ (۵)

مگر اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ پہلی مٹھی پر یہ اور دوسری پر یہ اور تیسری پر یہ پڑھا تھا، واللہ اعلم۔ رہا حاضرین کا تین مٹھی مٹی ڈالنا، یہ متعدد احادیث میں آیا ہے۔ (۶)

---

(۱) بیہقی: ۷۴۹ا، امام بیہقی نے اس کی سند کو صحیح فرمایا ہے، (۲) شامی: ۲۳۶/۲، اور حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر پر رسول اللہ ﷺ کا پردہ کرانا جو بیہقی (۳۹۸/۵،) وغیرہ نے روایت کیا ہے، اولا وہ صحیح نہیں پھر ہوسکتا ہے کہ کسی عذر کی بنا پر ہو، واللہ اعلم۔ (۳) ابن ماجہ: ۱۵۵۴، (۴) الاذکار للنووی: ص ۱۷۳، فتاوی عالمگیری: ۱۶۶/۱، الجوهرة النيرة: ۱۵۸/۱، (۵) مستدرک حاکم: ۴۱۱/۲، حدیث نمبر: ۳۴۲۳، بیہقی: ۴۰۱/۳، حدیث نمبر: ۶۵۱۷، مگر اس کی اسناد ضعیف ہے جیسا کہ ابن حجر نے التلخیص: ۱۳۰/۲، میں اور هیثمی نے مجمع الزوائد: ۴۳/۲، میں فرمایا ہے۔ (۶) مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے جنازہ میں شرکت کی اور ان کی قبر میں اپنے دونوں ہاتھوں سے تین مٹھی مٹی ڈالی، (بیہقی: ۶۸۳۰)

قبر بنانے کا مسنون طریقہ:

پھر قبر کو مسنون شکل پر بنایا جائے اس طرح کہ:

قبر پر جو مٹی ڈالی جائے وہ صرف وہی ہونا چاہئے جو قبر کھودتے وقت نکالی گئی تھی ،حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۱)

جب مٹی ڈالی جائے تو اس کو کوہان جیسی بنا دیا جائے اور ایک بالشت یا اس سے کچھ زائد اونچی بنایا جائے ،حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کوہان کی شکل پر بنائی گئی تھی۔ (۲)

نیز حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبریں بھی اسی طرح بنی ہوئی ہیں۔ (۳)

قبر کا مربع یعنی چوکور بنانا منع ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو مربع بنانے سے منع کیا ہے۔ (۴)

قبر کو بہت اونچی بھی نہ بنانا چاہئے بلکہ سنت یہ ہے کہ ایک بالشت اونچی بنائی جائے ،حدیث میں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر کو ایک بالشت اونچی بنایا گیا تھا۔(۵)

قبر تیار ہونے کے بعد اس پر پانی چھڑک دیا جائے۔حدیث میں ہے کہ حضرت ابراھیمؓ صاحبزادہ حضرت نبی کریم ﷺ کی قبر پر اللہ کے نبی ﷺ نے پانی چھڑکا تھا۔(۶)

اور خود حضرت نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر حضرت بلال ؓ نے اس طرح سے پانی چھڑکا کہ اللہ کے نبی ﷺ کے سر سے اپنی داہنی طرف سے شروع کیا اور پیروں پر ختم کیا۔ (۷)

---

(۱) نسائی: ۲۰۰۰، ابو داؤد: ۲۸۰۷، بیہقی: ۲۸۵/۵، (۲) بخاری: ۱۳۰۲، ابن ابی شیبہ: ۲۱۵/۳، (۳) کتاب الآثار: ۵۲، فتح الباری: ۲۵۷/۳، (۴) کتاب الآثار: ۵۲، وذکرہ ابن حجر فی الدرایۃ: ۲۴۱/۱ وسکت عنہ (۵) ابن حبان فی صحیحہ: ۶۶۳۵، خلاصۃ البدر المنیر لابن الملقن: ۲۷۱/۱ (۶) بیہقی: ۲۸۶/۵، مراسیل: ۴۲۴ (۷) (۱) بیہقی: ۲۷۸/۵، التلخیص: ۱۳۳/۲

اس کے بعد کوئی آدمی قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پائنتی سورۂ بقرہ کا آخری حصہ (آمن الرسول) کھڑے ہوکر پڑھے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ جب کوئی مرجائے تو اس کو محبوس نہ رکھو بلکہ اس کو اسکی قبر تک جلدی پہنچادو، اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کا ابتدا ئی حصہ اور پائنتی سورۂ بقرہ کا آخری حصہ پڑھا جائے۔ (۱)

اور حضرت ابوالجلاج سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو دفن کرنے کے بعد میرے سرہانے سورۂ بقرہ کا شروع اور پائنتی سورۂ بقرہ کا آخری حصہ پڑھیں۔ (۲)

دفن اور قبر کے چند مسائل:

قبر پر گچ کرنا یا مٹی لیپنا یا عمارت بنانا ناجائز ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر گچ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (۳)

اسی طرح قبر پر لکھنا جیسا کہ آجکل رواج ہوگیا ہے اور لوگ اس کو بھی فخریہ اپناتے ہیں، یہ بھی مکروہ وناجائز ہے، حدیث میں اس سے نہی آئی ہے۔ (۴)

لہٰذا قبروں پر نام، تاریخِ وفات وغیرہ کندہ کروا کر لگانے سے پرہیز کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کوئی ضرورت ہو تو اس کی اجازت دی گئی ہے۔ (۵)

اگر کوئی حاملہ عورت مرجائے تو اگر اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اس کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا چاہئے، پھر عورت کو دفنانا چاہئے۔ (۶)

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح :ص : ۱۴۹، (۲) نصب الرایۃ : ۳۰۸/۲ بیہقی : ۴۰۴/۵ ، (۳) مسلم : ۱۶۱۰، ترمذی: ۹۷۲:۲، نسائی: ۲۰۰۰، ابوداؤد: ۲۸۰۷، ابن ماجہ: ۱۵۵۱، احمد: ۱۴۰۳۸، (۴) ترمذی: ۹۷۲:۲، ابن ماجہ : ۱۵۵۶، ابو داوٗد : ۲۸۰۷، نسائی : ۲۰۰۰، (۵) شامی: ۲/ ۲۳۸ (۶) فتح القدیر : ۲/ ۱۵۰، شامی: ۲۳۸/۲

دفنانے کے بعد تمام حاضرین کا میت کے حق میں دعاء کرنا سنت ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ تدفین سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ اپنے (مردہ) بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعاء کرو کیونکہ وہ اب سوال کیا جاتا ہے۔ (۱)

جو بچہ مر کر پیدا ہو اس کو بھی اسی طرح قبر کھود کر دفنایا جائے جیسے اوپر مذکور ہوا، صرف گڑھا کھود کر نہ ڈال دینا چاہیئے۔ (۲)

اگر پانی کے جہاز میں کوئی مر جائے اور ساحل قریب نہ ہو تو غسل و کفن دینے اور نماز پڑھنے کے بعد اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ (۳)

❁ قبر میں اُتارنے کے لیے بہتر وہ لوگ ہیں جو میت کے قریبی رشتہ دار ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کو قبر میں اُتارنے کے لیے حضرت علی، حضرت قثم بن عباس، حضرت فضل بن عباس اور آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت شقران، رضوان اللہ علیہم اجمعین مقرر ہوئے تھے۔ (۴)

اور عورت کو قبر میں اُتارنے والا وہ ہو جس کو زندگی میں اس کا دیکھنا جائز تھا، ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں روایت کیا ہے کہ حضرت زینب ؓ زوجۂ حضرت نبی کریم ﷺ کے انتقال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات سے معلوم کروایا کہ ان کی قبر میں کون اُترے؟ ازواجِ مطہرات نے بتایا کہ جو ان کو دیکھ سکتا تھا وہی ان کو قبر میں اُتارے۔ (۵)

❁ دفن و قبر کے سلسلہ میں رائج اغلاط:

دفن اور قبر کے بارے میں بھی بہت سارے رسومات و رواجات عوام الناس میں

---

(۱) ابوداؤد: ۲۸۰۴، (۲) فتاوٰی دارالعلوم دیوبند: ۲۸۵/۵ (۳) البحر الرائق: ۱۹۳/۲، (۴) ابن ماجہ: ۱۶۱۷، ابوداؤد: ۲۷۹۴، البدایۃ والنھایۃ: ۲۰۴/۵، بعض روایات میں اسامہؓ کا اور بعض میں عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا ذکر ہے (۵) ابن ابی شیبہ: ۲۰۶/۳، اعلاء السنن: ۲۹۵/۸

پائے جاتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں یا شریعت میں وہ ممنوع ہیں مثلاً:

میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا:

آج کل میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا رواج بھی وبا کی طرح پھیل گیا ہے اور موقعہ بے موقعہ اپنے مُردوں کو دور دور لے جاتے ہیں، اور بعض لوگ عرب کے علاقوں میں حتّٰی کہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں انتقال کر جاتے ہیں اور ان کے رشتہ دار وہاں سے اپنے وطن ان اموات کو منگواتے ہیں جبکہ علماء وفقہاء نے تصریح کی ہے کہ میت کو اسی جگہ دفن کرنا مستحب ہے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے۔ (۱)

اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جنگِ احد کے دن مقتولین کو اُٹھا کر لا رہے تھے تا کہ ہم ان کو دفن کریں، پس ایک منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ مقتولین کو انہیں جگہوں پر دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوئے ہیں۔ (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا اور وہ حُبشی مقام سے لا کر مکہ مکرمہ میں دفن کئے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی قبر پر حاضر ہوئیں اور چند اشعار پڑھے، پھر فرمایا کہ اگر میں (دفن کے وقت) حاضر ہوتی تو تم وہیں دفن ہوتے جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا۔ (۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ میت کو اسی بستی میں دفن کرنا چاہیے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے اور بعض علماء نے بصراحت لکھا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بلا عذر میت کو منتقل کرنا مکروہ ہے جبکہ تین میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو۔ (۴)

(۱) البحر الرائق: ۱۹۵/۲، شامی: ۲۳۹/۲، مراقی الفلاح: ۱۵۰، (۲) ابوداوٗد: ۲۷۵۲، ابن ماجہ: ۱۵۰۵، ترمذی: ۱۶۳۹، احمد: ۱۳۶۵۳ (۳) ترمذی: ۹۷۵ (۴) شامی: ۲۳۹/۲، منحۃ الخالق علی البحر الرائق: ۱۹۵/۲

اس سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوگئی کہ میت کوایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔اب رہا یہ شبہ کہ حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کوان کی جائے وفات سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کوتو حضرت موسی علیہ السلام نے خود حضرت یوسفؑ کے انتقال کے چار سو سال بعد مصر سے ملکِ شام منتقل کیا تھا،تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلی شریعتوں کا حکم ہےاور ہمارے لیے ان پرعمل کے جواز کی شرائط پائی نہیں جاتیں

جیسا کہ علامہ شامیؒ نے تحقیق فرمائی ہے۔(۱)

اور بعض حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں،وہ یہ کہ ان کووادئ عقیق سے جہاں ان کا انتقال ہوا تھا،چند میل دور مدینہ طیبہ لاکر دفن کیا گیا۔(۲)

اس کا جواب یہ کہ وادئ عقیق،حوالئ مدینہ میں سے ہے،جیسا کہ معجم البلدان سے ظاہر ہے۔(۳)

---

(۱)اس مسئلہ میں علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے کہ جہاں انتقال ہوا وہیں دفن کرنا مستحب ہے ،تاہم اگر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔اور اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ان حضرات کی جائے وفات سے دوسری جگہ منتقل کئے جانے سے استدلال فرمایا ہے(البحر الرائق:۱۹۵/۲) مگر علامہ شامیؒ نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ہم سے ماقبل شریعتیں ہیں اور ان کے ہمارے لیے مشروع ہونے کی جو شرطیں ہیں وہ یہاں پائی نہیں جاتیں،نیز انہوں نے تاجیہ کے حوالہ سے جزم بالکراھۃ نقل کیا ہے اور تجنیس کے حوالہ سے فرمایا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک بے فائدہ چیز میں اشتغال ہے اور اس میں دفن میں تاخیر بھی ہوتی ہے اور یہ بات مکروہ ہونے کے لیے کافی ہے۔(منحۃ الخالق علی البحر الرائق:۱۹۵/۲)(۲) تہذیب التہذیب ۴۸۴/۳،ثقاتِ ابن حبان:۳۴۱/۲(۳) دیکھومعجم البلدان:۱۳۹/۴

لہٰذا یہ ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا نہیں ہے بلکہ مدینہ کے قریب سے مدینہ کے قبرستان میں لاکر دفن کرنا ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔

الغرض یہ رواج قابلِ نکیر ہے، رہا بعض بڑے بڑے علماء کا موجودہ دور میں منتقل کرنا، یہ حجت و دلیل نہیں، کیونکہ بقولِ حضرت مرشدی شاہ ابرارالحق صاحب ''یہ ان بزرگوں کا فعل نہیں بلکہ ان کے متعلقین کا فعل ہے، دوسرے یہ کہ عمل کتابوں پر ہونا چاہئے''۔

قبر پر اذان:

بعض جگہ دفن کے بعد قبر پر اذان دینے کا رواج ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں کہ ابن حجر مکیؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے۔ (۱)

ان کے علاوہ اور علماء وفقہاء نے بھی بالتصریح اذان علی القبر کو بدعت و بے اصل قرار دیا ہے کیونکہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین بلکہ خود رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں، اگر یہ کوئی دینی وشرعی کام ہوتا اور ثواب کی بات ہوتی تو یہ حضرات ضرور اس کو کرتے اور ہرگز اس کو ترک نہ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی ثواب کا کام نہیں بلکہ بے اصل ہونے کی وجہ سے دین میں اضافہ ہے جو سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ (۲)

قبر کے پاس صدقہ اور کھجور کی تقسیم:

بعض جگہ جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خیرات کرنے کو ضروری خیال کیا جاتا ہے اور اکثر جگہ دیکھا گیا کہ قبر کے پاس لوگ کھجور تقسیم کرتے ہیں، خیر خیرات کرنا اگرچہ نیکی کے کام ہیں مگر کسی چیز کو یا کسی وقت کو یا کسی کیفیت کو اپنے طرف سے مقرر

---

(۱) شامی: ۲/۲۳۵، (۲) اس مسئلہ پر مدلل کلام کے لیے مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ کی کتاب ''راہِ سنت'' ص: ۲۲۴ تا ۲۳۸، دیکھئے جو قابلِ مطالعہ ہے۔

ومتعین کرلینا، بلاشبہ دین میں اضافہ اور بدعت ہے اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ قبر کے پاس کھانے پینے کی چیز رکھنا منکر و غلط ہے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

''قبر کے پاس کھانا پانی رکھنے پر علماء نے نکیر کی ہے کیونکہ یہ اور اس جیسے کام کفار کے اعمال میں سے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے کاموں سے''۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کھجور کی تقسیم جو قبر کے پاس کی جاتی ہے یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے اسی طرح علامہ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

''قبر کے پاس صدقہ کرنے کو علماء نے مکروہ قرار دیا ہے''۔ (۲)

غرض یہ کہ اپنی طرف سے کوئی بات تجویز نہ کی جانا چاہئے بلکہ شریعت نے جو سکھایا اور بتایا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

دفن کے بعد تین دعائیں:

دفن کے بعد میت کے حق میں ثابت قدمی اور مغفرت کی دعاء کرنا احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں مگر عوام میں جو یہ رواج ہے کہ دفن کے بعد تین دفعہ دعاء کی جاتی ہے ایک قبر کے پاس، دوسرے چالیس یا ستّر قدم ہٹکر اور تیسرے قبرستان سے باہر نکلنے کے بعد قبرستان کے دروازہ پر، یہ بے اصل اور خلافِ شرع ہے۔ کسی چیز کی کیفیت ومقدار اپنی طرف سے مقرر کرنا شرع میں جائز نہیں۔ اسی لیے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ؒ نے لکھا ہے کہ:

''میت کو دفن کرکے ستّر قدم پیچھے ہٹ کر دعاء مانگنا بدعت اور مذموم اور ناجائز ہے''۔ (۳)

---

(۱) فتاوٰی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۲۶/۳۰۷ (۲) فتاوٰی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۲۶/۳۰۷
(۳) فتاوٰی دار العلوم: ۵/۲۸۱

غرض دفن کے بعد مذکورہ طریقہ پر دعائیں شریعت سے ثابت نہیں، لہٰذا ان کو ترک کرنا چاہئے

قبروں کو پختہ واُونچا کرنا:

حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ قبر کو پختہ کرنے، اوراس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قبروں کو پختہ کرنا یا اسپر عمارت بنا کر اونچا کرنا جیسے گنبد وغیرہ بنائے جاتے ہیں، یہ ناجائز وحرام ہے۔ مگر افسوس کہ ایک ناخدا ترس گروہ ایسا ہے جو اپنی زندگی کو انہیں خرافات ومحرمات سے وابستہ کیا ہوا ہے اوراس کی روزی و معاش اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلکہ بعض معمولی لوگوں کی قبروں پر مجاوری اوران خرافاتی حرکات پر منحصر ہوگئی ہے بلکہ بعض دکان دار قسم کے پیروں نے جانوروں کی قبروں پر مجاوری اختیار کر رکھی ہے، جس کا ذکر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں کیا ہے۔ (۲)

اس لیے یہ گروہ ان محرمات کو نہ صرف کرتا ہے بلکہ انکو حق اور جائز ثابت کرنے کے لیے عجیب وغریب اور نامعقول تاویلات سے کام لیتا ہے، جس کو اس قسم کی باطل بلکہ مضحکہ خیز تاویلات کا نمونہ دیکھنا ہو وہ مفتی احمد یار خان رضوی کی کتاب ''جاء الحق '' دیکھلے جو درحقیقت ''جاء الباطل'' کا مصداق ہے اوراس کیساتھ ان کے مدلل ومحکم جوابات دیکھنا ہوتو مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی بے مثال کتاب ''راہِ سنت'' کا مطالعہ کرے، حق و باطل میں ان شاء اللہ تعالی پوری طرح امتیاز ہو جائے گا، ہماری یہ مختصر کتاب اس کی متحمل نہیں کہ طرفین کے دلائل سے بحث کرے۔

---

(۱) مسلم: ۱۶۱۰، ترمذی: ۹۷۲، نسائی: ۲۰۰۰، ابوداؤد: ۲۸۰۷، ابن ماجہ: ۱۵۵۱، احمد ۱۴۰۳۸

(۲) دیکھو ملفوظات جوامع الکلم: ۴۳۷

بہر حال ہم نے اوپر اللہ کے رسول ﷺ کی صحیح حدیث پیش کی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے اور ہمارے علماء نے اس سے وہی سمجھا ہے جو اوپر پیش کیا گیا۔ امام محمد بن حسن علیہ الرحمۃ جو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور ان کی فقہ کے سب سے بڑے شارح ہیں، وہ اپنی ''کتاب الآثار'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''ہم اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ قبر کو پختہ کیا جائے یا اس پر لپائی کی جائے پھر امام ابوحنیفہؒ کی سند سے حدیث بیان کرتے ہیں کی ا للہ کے نبی ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے اور ان کو پختہ کرنے سے منع کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (۱)

غرض قبروں کو پختہ کرنا، ان کو اونچا کرنا، اور ان پر عمارت بنانا درست نہیں، لہٰذا ان سے بچنا چاہئے۔

قبروں پر غلاف اور پھول:

آج قبروں کی دنیا جن خرافات و بدعات میں مبتلا ہے ان کی گنتی مشکل ہے، ہر آدمی ایک ایک چیز ایجاد کر رہا ہے، اس لیے ہم نے اوپر شرعی احکام پیش کر دئے ہیں جن کو کرنا روا و جائز یا ثواب کی بات ہے۔ باقی خرافات میں انسان کو پڑنے کی حاجت ہی کیا ہے، تاہم چند مشہور بدعات اور کثرت سے رائج خرافات پر تنبیہ کرنا ضروری ہے۔

ان میں سے ایک یہ کہ قبروں پر تعظیم کے لیے غلاف ڈالتے ہیں، اور اسمیں ان بزرگ کی عظمت سمجھتے ہیں، یہ بھی بے اصل اور فضول ہے اور اسراف اور تبذیر میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے جس کی حرمت قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ:

---

(۱) کتاب الآثار:۵۲

﴿ تکرہ الستور علی القبور ﴾ یعنی قبروں پر پردہ (غلاف) مکروہ ہے۔ (۱)

اسی طرح قبروں پر پھول یا پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے جو سراسر لغو کام ہے۔ اگر یہ غلاف ڈالنا اور پھول یا پھولوں کی چادر ڈالنا دین کا کام ہوتا یا اس سے کوئی فائدہ متصور ہوتا، تو حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین، علماء و ائمہ ضرور اس کو کرتے اور اس کا حکم دیتے، حالانکہ ان حضرات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لھذا ان کاموں کا بدعت ہونا یقینی امر ہے۔

بعض لوگ قبروں پر پھول ڈالنے کے جواز پر ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دو قبروں پر عذاب ہوتا دیکھ کر ان پر سبز شاخیں لگائیں اور فرمایا کہ یہ جب تک سبز رہیں گی ان قبروں پر عذاب میں کمی ہوگی۔ (۲)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح شاخ تخفیف عذاب کا باعث ہے اسی طرح پھول بھی عذاب میں کمی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ استدلال سراسر دھوکہ اور باطل ہے:

اوّلا: تو اس لیے کہ حدیث میں پھول کا ذکر نہیں ہے، شاخ گاڑنے کا ذکر ہے، لھذا اس سے پھول یا پھولوں کی چادر پر استدلال بے معنے ہے۔ رہا شاخ لگانا تو اس کی اجازت ہے اور علماء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ (۳)

رہی یہ بات کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شاخ اس لیے لگائی تھی کہ وہ ذکر و تسبیح کرتی ہے اس لیے پھول بھی ذکر و تسبیح کرتے ہیں، قبروں پر ڈالنا درست ہونا چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر و تسبیح تو ہر چیز کرتی ہیں پھول کی کیا تخصیص؟ دوسری چیزیں

---

(۱) شامی: ۲/۲۳۸ (۲) بخاری: ۲۱۱، مسلم: ۴۳۹، نسائی: ۲۰۳۱، ابوداؤد: ۱۹، احمد: ۱۸۷۷، دارمی: ۷۳۶ (۳) شامی: ۲/۲۴۵،

کیوں نہیں ڈالی جاتیں؟

ثانیا: اس لیے کہ علماء کی ایک جماعت نے اس عمل سے عذاب میں تخفیف کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ:

''علامہ خطابیؒ اور ان کے متبعین نے قبروں پر شاخ رکھنے پر نکیر کی ہے، اور علامہ طرطوشیؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: یہ اللہ کے نبی ﷺ کے ہاتھ کی برکت کے ساتھ خاص ہے۔ (۱)

ثالثا: اس لیے کہ یہ عمل اللہ کے رسول ﷺ کی دعاء وشفاعت ہے۔ امام مسلمؒ نے ایک طویل حدیث میں اسی قسم کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ کے یہ الفاظ نقل کے ہیں:

﴿ انی مررت بقبرین یعذبان فاحببتُ بشفاعتی ان یرفّه ذالک عنھما مادام الغصنان رطبین ﴾ (۲)

(میں دو قبروں کے پاس سے گزرا جن پر عذاب ہو رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ میری شفارش و شفاعت سے انسے عذاب کم کر دیا جائے جب تک کہ یہ شاخیں سبز رہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل تو آپ کی شفاعت ہے اور شاخ رکھنا اس مدت کے لیے علامت کے طور پر ہے جس میں عذاب کی تخفیف ہوئی یا ہوگی۔

رابعا: اس لیے کہ اس میں بعض علماء وصوفیاء کرام کا فرمان ہے کہ یہ تخفیف عذاب دراصل نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے نہ کہ ان تازہ شاخوں کی کرامت، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ کے ملفوظات جوامع الکلم میں ہے کہ اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ آیت کریمہ

﴿ وان من شئی الا یسبح بحمدہ ﴾ تو خشک وتر دونوں کو شامل ہے،

(۱) فتح الباری: ۱/۳۲۰، (۲) مسلم: ۵۳۲۸

پھراس حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے فرمایا:

''لیکن تخفیف عذاب کی دراصل وجہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے دعاء کی کہ یہ دونوں شاخیں سبز رہیں اور ان دونوں اہلِ قبور پر عذاب میں کمی ہوتی رہے۔ (۱)

بہرحال یہ پھول کی چادر کا رواج بے اصل ہے اگر حدیث کی اتباع کا شوق ہی ہے تو شاخ لگانا چاہئے جیسا کہ حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر دوشاخیں رکھدی جائیں۔ (۲)

اور علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ بھی نے اسی طرح کیا ہے۔ (۳)

پھر یہ بات اس لیے بھی بہتر ہے کہ پھول کی بنسبت شاخ وٹہنی بہت دیر تک سبز وتازہ رہتی ہے تو اس سے پھول کی بنسبت فائدہ بھی زیادہ ہوگا چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ٹہنی اور شاخ کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ دیر تک سبز رہتی ہے جس سے دیر تک ذکر وتسبیح جاری رہے گی اور میت کے لیے سودمند ہوگی۔ (۴)

---

(۱) جوامع الکلم: ص۵۰۷، (۲) بخاری: کتاب الجنائز، باب الجریدۃ علی القبر (۳) زھر الربی علی النسائی: ۱/۱۳، (۴) زھر الربی علی النسائی: ۱/۳۔ **قُل کے ڈھیلے**: لوگوں میں رواج ہے کہ دفن کے وقت ''قل ھو اللہ احد'' پڑھکر ڈھیلوں پر دم کرکے قبر میں میت کے سرہانے رکھتے ہیں، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں۔ (فتاوی دارالعلوم: ۵/۴۱۵) اس رسالہ کی پہلی اشاعت میں یہی لکھا گیا تھا، پھر مولانا عبدالقدوس صاحب بنگلوریؒ کی کتاب ''خطباتِ جمعہ'' نظر سے گزری اس میں آپ نے اس کی دلیل میں ایک حدیث بحوالہ حاکم نقل کی ہے، مگر مستدرک میں مجھ کو نہیں ملی، اور متعدد علماء حدیث (جن میں مفتی سعید احمد صاحب محدث دارالعلوم دیوبند بھی ہیں) سے بھی میں نے رجوع کیا مگر سب نے یہی کہا کہ ایسی حدیث نظر سے نہیں گزری اور نہ میرے پاس موجود کسی کتاب میں ملی، اس لیے احتیاطا میں نے اس عنوان کو خارج کردیا۔

تدفین کے بعد

میت کی تدفین کے بعد غم غلط کر کے میت کی بھلائی کی خاطر جو کام کرنے کے ہیں ان کو کیا جائے اسی طرح اس سلسلہ کے دیگر شرعی احکامات کو پورا کر کے اللہ واللہ کے رسول کو خوش کرنے کی فکر کی جائے۔ تدفین کے بعد کا شرعی دستور العمل یہ ہے:

﴿تدفین کے بعد کا شرعی دستور العمل﴾

ایصالِ ثواب:

میت کو ثواب پہنچانے کے لیے شریعت نے جو کام بتائے ہیں ان کو انجام دیا جائے اور ان کا ثواب میت کو پہنچا دیا جائے۔ جمہور علماء اہلِ سنت کے نزدیک مالی عبادات جیسے صدقہ وخیرات اور بدنی عبادات جیسے نماز وروزہ، ذکر وتلاوت ودعاء و استغفار وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے منتفع ہوتی ہے۔ علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

''مردے زندوں کے عمل سے دو طرح منتفع ہوتے ہیں جن پر اہل سنت کے فقہاء ومحدثین ومفسرین کا اجماع ہے ایک یہ کہ میت زندگی میں اس عمل کا سبب بنا ہو دوسرے مسلمانوں کی اس کے حق میں دعاء واستغفار اور اس کے لیے صدقہ وحج سے اس کو نفع ہوتا ہے۔ البتہ بدنی عبادات جیسے روزہ اور نماز، تلاوت وذکر کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، امام احمد اور جمہور سلف کا مذھب یہ ہے کہ ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ (۱)

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع ہوگا؟ آپ

(۱) کتاب الروح: ۱۱۷

ﷺ نے فرمایا کہ اس کو نفع ہوگا۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا اور اس نے حج نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے حج کر۔ (۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ میری ماں کی طرف سے میں کیا حج کرسکتی ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی مگر وہ مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج ادا کرسکتی ہوں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کرسکتی ہو۔ (۳)

بہرحال صدقہ، حج، عمرہ، ذکر وتلاوت وغیرہ کے ذریعہ میت کو ثواب پہنچانے کی کوشش کرنا چاہئے مگر اس کے لیے کسی رسم کی پابندی نہ کرنا چاہئے۔ جس سے جتنا ہوسکے نیکی کرکے ثواب پہنچائے، نہ دن ومہینہ کی تخصیص کرے اور نہ کسی خاص انداز و کیفیت کی تعیین کرے، اور ثواب پہنچانے کے لیے بھی صرف نیت کرلینا کافی ہے کہ اے اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا۔ (۴)

لہٰذا ثواب پہنچانے کے لیے نہ کسی مؤذن وامام کو بلانے کی ضرورت اور نہ شیرینی وغیرہ کو سامنے رکھنے کی ضرورت، بس دل سے نیت کرلینا کہ فلاں کو اس کا ثواب پہنچ جائے، یہ کافی ہے۔

﴿نوٹ: اس مسئلہ کی مفصل بحث وتحقیق علامہ ابن القیمؒ نے کتاب الروح میں کی ہے﴾

---

(۱) بخاری: ۱۲۹۹، مسلم: ۲:۱۶۷۲، نسائی: ۷:۳۶۶، ابوداؤد: ۲۴۹۵، احمد: ۲۳۱۱۷، ابن ماجہ: ۲۷۰۸، مالک: ۱۲۵۵ (۲) نسائی: ۲۵۹۱، (۳) بخاری: ۱۷۲۰، نسائی: ۲۵۸۶، احمد: ۲۰۳۳، (۴) روح المعانی: ۲۷/۶۷، کتاب الروح: ص: ۱۴۱

دعاء واستغفار:

میت کے لیے جس طرح ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے اسی طرح باتفاق علماء اس کے لیے اللہ سے دعاء کی جاسکتی ہے اور اس کے گناہوں کو بخشنے کی درخواست بھی کی جا سکتی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''ائمہ اسلام اس پر متفق ہیں کہ میت، دعاء اور اس کی طرف سے کئے گئے نیک عمل سے منتفع ہوتی ہے اور یہ بات ان باتوں میں سے ہے جو دین اسلام سے ضروری طور پر معلوم ہیں، جو اس کے خلاف ہے وہ اہلِ بدعت میں سے ہوگا۔(۱)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دفن میت سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور ثابت قدمی کی دعاء کرو۔ (اس حدیث کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ میت کے حق میں دعاء کرنے سے اس کو فائدہ ہوتا ہے ۔دعاء کیا کرنی چاہئے؟ اس میں کوئی قید نہیں، میت کے لیے جو بھی مفید ہو اس کی دعاء کی جائے، جیسے حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوسلمہ ؓ کے لیے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت کر، ان کے درجات کو بلند کر ان کی قبر کو کشادہ فرما اور ان کے لیے قبر میں روشنی فرما۔(۲)

غرض یہ کہ اللہ تعالی سے میت کے حق میں جو بھی بہتر خیال کرے وہ دعاء کرے، اس سے میت کو فائدہ ہوگا اور یہی دراصل میت کے لیے عظیم تحفہ ہے جو کوئی انسان اس کے لیے بھیج سکتا ہے

میراث کی تقسیم:

میت کی تدفین کے بعد ایک نہایت اہم کام تقسیم میراث ہے یعنی اگر میت نے مال چھوڑا ہو تو اس کو اس کے وارثوں میں شرعی قانون اور حساب کے مطابق بانٹنا۔

(۱) فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۳۰۶/۲۴، (۲) مسلم: ۱۵۲۸، ابوداؤد: ۲۷۱۱، احمد: ۲۵۳۳۲

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مال چھوڑ کر مرا تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے۔ (۱)

نیز احادیث میں ہے کہ بعض حضرات کے انتقال پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے وارثین کو تلاش کر کے ان تک ان کی میراث کا حصہ پہنچانے کا حکم دیا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہیکہ ایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میرے پاس قبیلۂ ازد کے ایک آدمی کی میراث ہے مگر میں اس قبیلہ کا کوئی آدمی نہیں پاتا ہوں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تلاش کر، وہ صاحب ایک سال بعد آئے اور عرض کیا کہ (ایک سال کی تلاش کے باوجود) میں نے کوئی آدمی قبیلہ ازد کا نہیں پایا، آپ نے فرمایا کہ قبیلہ خزاعہ کے کسی عمر دراز شخص کو دیدو۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ میراث کے مستحق، میت کے وارث ہیں اس لیے اس کو ان میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ اللہ کی کتاب میں جو وارثین کے حصے مقرر ہیں ان کو ان کے حقداروں تک پہنچادو، اور جو بچ جائے وہ میت سے رشتہ میں سب سے قریب مرد کا حصہ ہے ۔ (۳)

آجکل اس سلسلہ میں بھی بہت ہی کوتاہی اور غفلت سے کام لیا جاتا ہے اور اچھے اچھے بظاہر نیک و دیندار قسم کے لوگ بھی اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ اس سے غافل ہیں بلکہ عجیب قسم کی چالاکیوں سے دوسروں کی میراث دبا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس بارے میں اسلام میں سخت تنبیہات وتشدیدات وعیدات آئی ہیں۔

ایک موقعہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کی ایک بالشت

---

(۱) بخاری:۲۱۳۳، مسلم:۳۰۴۰، ابوداؤد:۲۵۱۲، ابن ماجہ:۲۷۲۸، احمد:۱۶۵۴۷، (۲) ابوداؤد: کتاب الفرائض:۲۵۱۶، احمد:۲۱۸۶۶، (۳) بخاری:۶۲۴۰، مسلم:۳۰۲۸، ابوداؤد:۲۵۱۱، ابن ماجہ:۲۷۳۰، احمد:۲۷۱۵، ترمذی:۲۰۲۴

زمین بغیر حق کے دبالی اس کو قیامت کے دن اللہ تعالی سات زمینوں کا طوق (بطور سزا) پہنائے گا۔ (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی ایسے شخص کو اس زمین کی وجہ سے زمین میں دھنسادے گا۔ (۲)

غرض یہ کہ میراث کا اس کے حقداروں کو شرعی قانون وحساب کے مطابق پہنچانا ضروری اور اس میں کوتاہی کرنا باعثِ عذاب ہے۔

اس سلسلہ میں عام طور پر جن کوتاہیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہ یہاں عرض کرتا ہوں:

بہت سے گھرانوں میں سرے سے میراث تقسیم کرنے کا رواج ہی نہیں ہے، اس پر اوپر عرض کیا جاچکا ہے۔

بعض لوگ جو اس بارے میں کچھ حساس ہیں ان کی بے حسی کا یہ حال ہے کہ میراث اصول اور حسابِ شرعی کے مطابق تقسیم نہیں کرتے بلکہ بے قاعدہ جس کو جتنا چاہا دیدیتے ہیں اور اس میں بسا اوقات آپس میں نزاع وفساد بھی پیدا ہوجاتا ہے اور رشتہ داری، رسّہ کشی کا ایک مظاہرہ ہوکر رہ جاتی ہے۔

اس لیے میراث کی تقسیم شرعی حساب کے مطابق کرنا چاہیے تاکہ وارثین کو ان کا حصہ پورے طور پر ملے۔ اسی لیے حدیث میں اس کے مسائل کو سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿تعلموا القرآن و الفرائض و علموا الناس فانی مقبوض﴾ (۳)

---

(۱) بخاری: ۲۲۷۳، مسلم: ۳۰۲۵، احمد: ۲۴۹۴۷، (۲) بخاری: ۲۲۷۴، احمد: ۵۴۸۱

(۳) ترمذی: ۲۰۱۷

(ترجمہ: قرآن اور میراث کے احکام ومسائل سیکھ لو کہ میں وصال کر جانے والا ہوں)

اور اسی حدیث میں امام دارمی اور امام بیہقی نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہوگا کہ دو آدمی میراث کے بارے میں جھگڑیں گے مگر ان کو (صحیح و شرعی) فیصلہ کرنے والا کوئی نہ مل سکے گا۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿ **تعلموا الفرائض و علموه الناس فانه نصف العلم وهو ينسى** ﴾ (۲)

(ترجمہ: فرائض یعنی میراث کے احکام سیکھو کہ وہ آدھا علم ہے اور وہ بھلا دیا جائے گا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میراث کے احکام سیکھو کہ وہ تمہارے دین میں سے ہیں'' اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''جو قرآن سیکھے اس کو چاہئے کہ وہ فرائض بھی سیکھے''۔ (۳)

غرض یہ کہ شرعی قواعد کے مطابق میراث کی تقسیم ہونا ضروری ہے، اور عوام الناس کو اس سلسلہ میں علماء ماہرین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

بعض لوگ میراث کو صرف لڑکوں کا حق سمجھتے ہیں اور لڑکیوں کو اس میں سے نہیں دیتے حالاں کہ شریعت نے جس طرح میراث میں بیٹوں کا حق بتایا ہے اسی طرح بیٹیوں کا حق وحصہ بھی بتایا ہے اور معلوم ہونا چاہئے کہ لڑکیوں کو حصہ نہ دینا جاہلیت کی ایک باطل رسم ہے جس کی اصلاح کے لیے اللہ نے اسلام کو دنیا میں بھیجا۔ اس لیے اہلِ اسلام کو

---

(۱) دارمی: ۲۲۳، بیہقی: ۲۴۰/۹ (۲) بیہقی: ۲۴۱/۹ (۳) سنن سعید بن منصور قسم اول ۲/۳۰، بیہقی: ۲۴۱/۹

اس پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔

بعض لوگ تمام وارثین میں میراث تقسیم نہیں کرتے بلکہ جن سے تعلقات اور معاملات اچھے ہوتے ہیں ان کو دیتے ہیں اور جن سے تعلقات اچھے نہیں ہوتے ان کومحروم کردیتے ہیں۔ یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کسی کو اللہ نے یا رسول ﷺ نے اختیار نہیں دیا ہے کہ جس کو چاہے دیدے اور جس کو نہ چاہے، نہ دے، بلکہ اللہ و رسول نے خود ہی سبھی حقداروں کے حصے مقرر کر دئے ہیں اور ان میں کمی وبیشی کا بھی ان کی رضا کے بغیر کسی کو اختیار نہیں دیا گیا۔

بعض گھرانوں میں نافرمان اولاد کو عاق کرنیکی رسم ہے کہ نافرمان اولاد کو میراث سے محروم کردیتے ہیں، مگر یہ بھی شرعاً جائز نہیں بلکہ اللہ و رسول ﷺ نے ان کا جو بھی حق مقرر کیا ہے وہ دینا چاہئے، خواہ وہ اطاعت شعار ہو یا نافرمان ہو۔

بعض لوگ بیوہ عورت کو اگر وہ دوسرا نکاح کرلے تو اس کے پہلے شوہر کی میراث سے محروم کردیتے ہیں۔ یہ بھی سراسر ظلم اور خلافِ شرع بات ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ عورت اگر اپنے شوہر کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حسبِ شرائط کرنا چاہے تو اس کو اس کا پورا حق ہے اور اس سے کسی طرح بھی اس کو روکنا جائز نہیں۔ (۱)

اور وہ ایک جائز کام کرے تو اس کو اس کے حق سے محروم کرنا کیسے روا ہوسکتا ہے؟ لہٰذا یہ بدعت بھی ختم کرنا چاہئے، بعض لوگ بہنوں سے اپنا حصہ معاف کرالیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معاف ہوگیا، مگر

یہ معافی عام طور پر دل سے نہیں ہوتی بلکہ کبھی تو جبر و اکراہ کی بنا پر ہوتی ہے اور کبھی کسی دھوکہ کی وجہ سے اور کبھی رسماً یا شرما شرمی میں ہوتی ہے اور شرعاً اس قسم کی

---

(۱) قرآن میں طلاق کی عدت کے بعد مطلقہ عورتوں کو ان کی مرضی کی شادی کرنے سے روکنے سے منع کیا گیا ہے (سورۂ بقرہ: ۲۳۲) اور یہی حکم بیوہ عورت کا بھی ہے۔

معافی کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ بغیر طیبِ نفس (بغیر دلی رضا و خوشی) کے کافر معاہد کا مال لینا بھی جائز نہیں تو کسی مسلمان کا مال لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ (۱)

قرض کی ادائیگی:

میت پر اگر قرض ہو تو اس کے قریبی رشتہ داروں کو چاہیئے کہ اس کے مال سے پہلے اس کا قرض ادا کر دیں پھر میراث تقسیم کریں، حضرت جابرؓ کے والد کا انتقال ہوا تو ان پر قرض تھا اور انہوں نے کچھ کھجور ترکہ میں چھوڑے تھے، حضرت جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ قرض خواہوں کو قرض ادا کرنا ہے، آپ بھی تشریف لے چلیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور دعاء کی اور تمام قرض خواہوں کا قرضہ ادا فرمایا، مگر پھر بھی (آپ کی برکت سے) اتنا ہی بچا رہا جتنا کہ دیا گیا۔ (۲)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ وصیت سے پہلے قرض ادا کرنے کا فیصلہ کرتے تھے۔ (۳)

معلوم ہوا کہ سب سے پہلے میت کا قرض اس کے مال سے ادا کرنا چاہیئے، یہ اس کے قریبی رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے۔

وصیت پوری کرنا:

اگر میت نے کوئی وصیت کی ہو تو اس کو قرض کی ادئیگی کے بعد پورا کرنا چاہیئے، مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ مالی وصیت ہو تو ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو صرف تہائی حصہ کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے۔ (۴)

(۱) مسند احمد؛ ۱۶۳۰۵، (۲) بخاری: ۲۲۲۰، نسائی: ۳۵۷۶، احمد: ۱۳۸۳۹، ابن ماجہ: ۲۴۲۵،
(۳) ترمذی: ۲۰۴۸، ابن ماجہ: ۲۷۰۶، احمد: ۵۶۱ (۴) بخاری: ۲۰۴۲، نسائی: ۳۵۶۸، احمد: ۱۳۶۳، دارمی: ۳۰۶۴، طحاوی: ۲/۲۵۰، مؤطا مالک ص: ۳۱۸

معلوم ہوا کہ ایک تہائی کی وصیت ہو تو اس کو پورا کیا جائے گا، دوسرے اس بات کا خیال ہونا چاہئے کہ ناجائز کام کی وصیت نہ ہو، اگر میت نے کسی ناجائز کام کی وصیت کی ہو تو اس کو پورا نہیں کیا جائے گا، مثلاً کسی نے وصیت کی کہ میری قبر پر قبّہ یا گنبد بنایا جائے یا اور کسی ناجائز بات کی وصیت کیا تو یہ وصیت باطل ہے۔ (۱)

تدفین کے بعد کی غیر شرعی رسومات

تدفین کے بعد کا جو شرعی دستور تھا، وہ پیش کر دیا گیا، اب ایک نظر ان خرافات ورسومات کی طرف بھی کیجئے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، مگر اس کے باوجود وہ رسمیں عوام میں عام اور شائع ومقبول ہیں، مثلاً:

میت کے گھر کھانا کھانے کا رواج:

آجکل ایک عام رواج یہ ہو گیا ہے کہ میت کے گھر والے جنازے میں آنے والوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتے ہیں، یہ بھی غلط اور گناہ کا کام ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم (صحابہ) میت کے گھر جمع ہونے اور کھانا بنانے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نوحہ (یعنی چیخ چیخ کر رونا) حرام ہے اسی طرح میت کے گھر جمع ہو کر کھانا کھانے کو حرام سمجھتے تھے، اسی لیے حضرات فقہاء نے بھی صاف طور پر اس کو ناجائز وبدعت قرار دیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ اہلِ میت کی طرف سے ضیافت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ خوشی کے موقعہ پر مشروع ہے نہ کہ غم کے موقعہ پر اور یہ بدعت قبیحہ ہے۔ (۳)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) درمختار مع شامی: ۶۶۶/۶ و ۶۹۰/۶، (۲) ابن ماجہ: ۱۶۰۱ (۳) شامی: ۲۴۰/۲

''رہا اہلِ میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا پس یہ غیر مشروع ہے اور یہ تو بس بدعت ہے۔''(۱)

اور اس مسئلہ میں جس طرح علماءِ حق (جن میں علماء دیوبند بھی شامل ہیں) کا یہی مسلک ہے اسی طرح بریلوی مکتبِ فکر کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ بریلوی مکتبِ فکر کے بانی مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی کتاب ''احکامِ شریعت'' میں لکھتے ہیں:

''یہ دعوت خود ناجائز و بدعتِ شنیعہ وقبیحہ ہے، امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بہ سندِ صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں ﴿ **كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصُنعة الطعام من النياحة** ﴾ (ہم گروہ، صحابہ اہلِ میت کے یہاں جمع ہونے، ان کے کھانے تیار کرانے کو مردہ کی نیاحت شمار کرتے تھے) جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ہیں۔''(۲)

اسکے علاوہ اس میں اور بھی مفاسد وخرابیاں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کھانا میت کے ترکہ سے تیار کیا جاتا ہے اور تمام وارثین کی بطیبِ خاطر اجازت کے بغیر اس مال کا استعمال ناجائز ہے، اور کبھی وارثین میں کوئی نابالغ بھی ہوتا ہے جس کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں تو یہ کھانا ناجائز ہوا اور اس کا کھانا معصیت ہوا مگر افسوس کہ آج اس کی پرواہ نہیں کی جاتی اور نہ صرف میت کے گھر والے بلکہ وہاں جا کر کھانے والے بھی بلا کسی تردد کے کھا لیتے ہیں۔

❁ میت کی برائی بیان کرنا:

کسی مسلمان کی غیبت اور اس کا شکوہ شکایت اسلام میں ممنوع اور ناجائز ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان اس سے بیخبر ہوگا۔ مگر یہ بھی ایک

---

(۲) فتاوٰی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۳۱۶/۲۴، (۲) احکام شریعت: ۲۹۲/۳

حقیقت ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس ممنوع وحرام کام میں اشتغال کوایک محبوب مشغلہ کےطور پراختیار کرتے ہیں اور جن لوگوں کواس کی عادت پڑ جاتی ہے وہ زندوں سےلیکرمُردوں تک سبھی کواپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں ،حالانکہ اسلام نے اس کی تاکید کی ہے کہ مُردوں کی خوبیاں تو بیان کرومگران کی برائی نہ کرو۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الی ما قدموا ﴾(۱)

(ترجمہ: مردوں کوگالی مت دو کیونکہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جس کے لیے انہوں نے (اچھایابراعمل) بھیجا تھا)

اورایک دوسری حدیث جوحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہےاس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویهم ﴾(۲)

(ترجمہ: اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرواور ان کی برائیوں سے (اپنی زبانوں کو) روکے رکھو)

ان احادیث سےمعلوم ہوا کہ مردوں کو نہ گالی دینا جائز اور نہ ان کی غیبت و برائی کرنا جائز ہے، بلکہ ان کی تعریف وخوبی بیان کرنا چاہئے ،ہاں اس میں مبالغہ سے کام نہ لے کہ یہ بھی بُری بات ہےاوراسلام میں ناپسندیدہ فعل ہے ۔

❁ قرآن خوانی اوراس پراُجرت:

میت کے ایصالِ ثواب کے لیےقرآن پڑھنا مفید ونفع بخش ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں لیکن ہمارے علاقوں میں قرآن خوانی اورآیتِ کریمہ پڑھنے کی جو

---

(۱) بخاری:۱۳۰۶،نسائی:۱۹۱۰،احمد:۲۴۲۹۶،دارمی:۲۳۹۹،(۲) ابوداؤد:۴۲۵۴،ترمذی:۹۴۰ مستدرک حاکم ۱/۳۸۵

رسم عوام بلکہ بعض خواص میں رائج ہے جس میں لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے، حفاظ و قراء کو جمع کیا جاتا ہے، یہ سراسر بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ ردالمختار میں بزازیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''تلاوتِ قرآن کے لیے دعوت کا انتظام کرنا صلحاء اور قاریوں کو ختمِ قرآن یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص پڑھنے کے لیے جمع کرنا مکروہ ہے۔ پھر معراج کے حوالہ سے لکھا کہ یہ تمام کام شہرت وریاء کاری کے لیے ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے بچنا چاہئے۔[1]

معلوم ہوا کہ یہ قرآن خوانی اور آیتِ کریمہ پڑھنے کے لیے جو دعوت دی جاتی ہے یہ ناجائز و مکروہ ہے پھر بعض جگہ حفاظ وطلبہ کو اُجرت پر تلاوت کے لیے بلایا جاتا ہے حالانکہ اُجرت پر تلاوت کرنیوالے ہی کو ثواب نہیں ملتا پھر وہ میت کو ثواب کیسے بخشے گا؟ علامہ شامیؒ نے اپنے ایک رسالہ میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینا، دینا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے اور اُجرت پر پڑھنے والوں کو کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کا ثواب تو وہی مال ہے جو بطورِ اُجرت ان کو مل رہا ہے، علامہ شامی کا یہ رسالہ ان کے رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے۔[2]

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

قرآنِ مجید پڑھنے اور اس کا ثواب ھدیہ کرنے کے لیے اُجرت پر کسی کو لینا بالاتفاق صحیح نہیں ہے اور جو علماء نے اختلاف کیا ہے وہ تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینے کے بارے میں نہیں بلکہ تعلیمِ قرآن، اذان، امامت اور غیر کی طرف سے حج کے بارے میں ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (آگے چلکر فرماتے ہیں) امام احمد کے مذھب میں ایک قول یہ ہے کہ فقیر کے لیے تلاوت پر اُجرت لینا جائز ہے لیکن وہ اللہ کے لیے

---

(۱) شامی: ۲/۲۴۰ تا ۲/۲۴۱، (۲) دیکھو رسائل ابن عابدین الشامیؒ: ۱/۱۵۲ تا ۱۹۸

پڑھے اور ضرورت کے لیے اُجرت لے اور اگر وہ اُجرت کے بغیر پڑھتا ہی نہ ہو تو اس کو اس تلاوت پر ثواب نہیں ملے گا اور جب خود اس کو ثواب نہیں ملا تو میت کو بھی کچھ نہ پہنچے گا۔ (۱)

غرض یہ کہ اُجرت پر قرآن پڑھا جائے یا ذکر وغیرہ کیا جائے، اس سے ثواب نہیں ملتا، اس لیے یہ قرآن خوانی کی رسم جس سے حفاظ وقراء کو اُجرت دیکر بلایا جاتا ہے، حرام ہے اور بلا اُجرت جو یہ رسم ہوتی ہے یہ بھی بدعت ہے، لھذا بلا رسم کی پابندی کے جو افراد گھر کے یا قرب وجوار کے بلا تکلف جمع ہو جائیں وہ سب ملکر قرآن پڑھکر یا ذکر کر کے ثواب میت کو پہنچا دیں جیسا کہ اوپر تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے۔

کھانے اور مٹھائی پر فاتحہ:

بہت سے مقامات پر ایصال ثواب کے لیے جو کھانا دیا جاتا ہے اس پر فاتحہ دینے کا ایک مہمل طریقہ رائج ہے، اسی طرح بعض لوگ مٹھائی پر فاتحہ دیتے ہیں۔ یہ طریقہ نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ وتابعین سے اور نہ فقہاء کرام سے ثابت ہے۔

ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس سے ہٹ کر کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اسی فاتحہ مروجہ کے متعلق سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

''جو طریقہ فاتحہ کا مروج ہے کہ شیرینی وغیرہ سامنے رکھکر، کھڑے ہو کر فاتحہ دیتے ہیں اس کی اصل شرع میں نہیں ہے۔ (۲)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: یہ طریق ایصالِ ثواب کا زمانۂ شفیع المذنبین رحمۃ العالمین وصحابہ وتابعین وتبع تابعین وائمہ مجتھدین میں نہ تھا اور نہ اب تک خاص

(۱) فتاوٰی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۳۱۵/۲۴ تا ۳۱۶ (۲) مجموعہ فتاوی عبدالحیؒ ۸۵/۱

شرفاءعرب کا دستور ہے، بناءً علیہ میرے نزدیک طریقہ مروجہ مشروع نہیں۔ (۱)

معلوم ہوا کہ فاتحہ کا یہ مروجہ طریقہ بدعت ہے، پھر اس میں بعض امور خلافِ عقل بھی کئے جاتے ہیں، مثلاً فاتحہ دینے والا فاتحہ دیکر مردوں کو ثواب پہنچاتا ہے، جبکہ وہ کھانا جو ایصالِ ثواب کے لیے پکایا ہے، ابھی غریبوں کو دیا ہی نہیں گیا ہے، جب غریبوں کو دیا ہی نہیں تو ثواب کہاں ملا؟ پھر وہ جو پہنچایا جارہا ہے وہ کیا ہے؟

نیز بعض جگہ خصوصاً دیہاتوں میں فاتحہ کے لیے ملاّ، شیخ، پیر، مؤذن وغیرہ کی تلاش ہوتی ہے اور ان کو اُجرت دیکر ان سے فاتحہ پڑھواتے ہیں اور یہ ناخدا ترس لوگ عجیب چالاکیاں کرتے ہیں کہ دس روپئے کی فاتحہ، بیس کی، تیس کی، سو کی دوسو کی فاتحہ گھڑ رکھی ہے اور جاہلوں کو دھوکہ دیتے ہیں، افسوس کہ سیدھے سادھے مذہبِ اسلام کو ان من مانی بدعات ورسومات نے کس قدر مشکل بنادیا بلکہ اس کے حلیہ کو کس قدر بگاڑ دیا ہے۔ اللھم احفظنا من ھٰذہ الخرافات۔

غرض یہ سب بے کار ولایعنی وفضول اعمال ہیں جن سے بچنا ضروری ہے اور سنت پر عمل کی فکر لازم ہے اسی سے خود کو اور میت کو دونوں کو نفع ہوگا۔

❁ قبر پر قرآن پڑھوانے کی رسم:

اکثر لوگوں میں رواج ہے کہ تدفین کے بعد چالیس دن تک قبر پر کسی حافظ یا قاری سے قرآن پڑھواتے ہیں اور بعض لوگ ان کو اُجرت پر مقرر کرتے ہیں، اُجرت پر تلاوتِ قرآن کا مسئلہ اوپر گزرا ہے کہ یہ حرام ہے اور اس سے ثواب ہی نہیں ملتا اور خود چالیس دن تک قبر پر قرآن پڑھوانے کی رسم صحیح نہیں ہے، سلفِ صالحین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ:

قبروں پر قرأت کرنا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی

(۱) مجموعہ فتاوی عبدالحیؒ ۱/۳۵۷،

ایک روایت میں مکروہ ہے کیونکہ نئی اور من گھڑت بات ہے جو حدیث میں وارد نہیں۔ (۱)

حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

''قبروں پر پابندی سے قرأت کرنا سلف کے نزدیک معروف نہیں تھا اور خود قبر پر قرأت کرنے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے اکثر روایات میں مکروہ قرار دیا ہے اور امام احمدؒ نے دوسرے قول میں اجازت دی ہے اور تیسرے ء میں تفصیل کی ہے کہ دفن کے وقت قرأت جائز ہے اور دفن کے بعد معمولاً قرأت یہ بلاشبہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں معلوم۔ (۲)

خلاصہ یہ ہے کہ کبھی کبھی قبر پر جا کر تلاوت کرنے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور درمختار میں جواز اسی پر محمول ہے اور اگر مستقل مقرر کر کے پڑھوایا یا پڑھا جائے تو یہ بالاتفاق بدعت ہے۔

سوم، دسواں، بیسواں، چہلم و برسی کی رسمیں:

تدفین کے بعد بڑے پیمانے پر اور اعلیٰ معیار پر کی جانے والی رسموں میں سوم، دسواں، بیسواں، چہلم، و برسی کی رسمیں عوام الناس میں بڑی معروف و مقبول ہیں۔ مگر کیا ان کا شریعت میں بھی کوئی اعتبار ہے؟ اور کیا ان کی کوئی سند و دلیل بھی ہے؟ اس کا جواب صرف اور صرف یہی ہے کہ یہ ساری رسومات بے اصل و بے دلیل ہیں اور اسی وجہ سے حضراتِ علماء نے ان کو بدعت قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ''مدارج النبوت'' میں فرماتے ہیں کہ:

''ان حضرات (صحابہ) کی عادت نہ تھی کہ میت کے واسطے جمع ہوں اور قرآن پڑھیں اور ختمات کریں، نہ قبر پر نہ دوسری جگہ اور یہ سب بدعت ہے۔ تیسرے روز مخصوص اجتماع اور دیگر تکلفات کا ارتکاب اور مالوں کا بلا وصیتِ میت اس کے یتیم

(۱) شرح فقہ اکبر: ص۱۶۰ (۲) فتاویٰ ابن تیمیہؒ: ۲۴/ ۳۱۷

بچوں کے حق سے خرچ کرنا بدعت وحرام ہے۔ (۱)

علامہ شامیؒ نے بحوالہ بزازیہ لکھا ہے کہ:

''موت ہونے کے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ بعد اور عیدوں کے موقعوں پر کھانا بنانا اور خاص موقعوں پر قبر پر بھیجنا مکروہ ہے۔ (۲)

ملاعلی قاریؒ ''مرقاۃ المفاتیح'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہمارے اصحاب نے یہ ثابت کیا ہے کہ مرنے کے بعد پہلے اور تیسرے دن اور اسی طرح ہفتہ بعد کھانا پکانا مکروہ ہے۔ (۳)

اور حضرت قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ اپنے ''وصیت نامہ'' میں فرماتے ہیں:

''میرے مرنے کے بعد دنیوی رسمیں جیسے دسواں، بیسواں، چہلم، ششماہی اور برسی کچھ نہ کریں۔ (۴)

یہ سب عبارات حضراتِ فقہاء و علماء کی صاف بتارہی ہیں کہ یہ رسومات شریعت میں اضافہ وبدعت اور ناجائز ہیں۔

غور کیجئے کہ جن رسومات کو علماء نے بدعت وضلالت قرار دیا ہے، آج مسلمانوں میں وہ کس قدر مقبول ورائج ہیں؟ کیا یہ شیطانی دھوکہ اور فریب نہیں ہے کہ ایک ناجائز اور بدعی کام کو صواب وکارِثواب سمجھ لیا جائے؟

پھر ان میں کئی مفاسد وخرابیاں ہیں مثلاً: (۱) عموماً اس قسم کی دعوتیں میت کے مال سے کی جاتی ہیں اور تمام وارثین کی اجازت نہیں لی جاتی اور کبھی وارثین میں نابالغ بھی ہوتے ہیں جن کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں، تو اس قسم کا کھانا شرعاً حرام ہے۔ (۲) اس قسم کی دعوتوں میں عام طور پر صرف مالداروں کو یا کم از کم مالداروں کو

(۱) مدارج النبوت: ۴۲۱/۱، (۲) شامی: ۲۴۰/۲، (۳) مرقاۃ المفاتیح: ۴۸۲/۵

(۴) وصیت نامہ ملحقہ ''مالا بد منہ'' ص: ۱۶۶

بھی بلایا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ غنی لوگوں کو کھلانے سے صدقہ ادا نہیں ہوتا پھر ثواب کیسا؟ جب ثواب نہ ملا تو پھر بخشیں گے کیا؟ (۳) نیز بعض لوگ ان رسومات کو ادا کرنے کیلیے سودی قرض یا کم از کم قرض لیتے ہیں اور اسلام میں بلاضرورت قرض لینا بھی پسندیدہ نہیں اور سودی قرض لینا تو حرام ہے۔ یہ سارے مفاسد اور خرابیاں ان بے اصل رسومات کی بدولت لازم آتی ہیں جس کی وجہ سے یہ رسمیں اور زیادہ قبیح و منکر ہوجاتی ہیں، اس لیے ان کو بالکلیہ ترک کرنا چاہئے۔

۞ گھروں میں روحوں کے آنے کا عقیدہ:

بعض جاہل لوگوں میں یہ عقیدہ ہے کہ برسی، چہلم، اور دوسرے بعض خاص خاص دنوں جیسے عیدوں میں میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور اپنی پسندیدہ چیزیں کھاتی ہے اور اسی عقیدہ کی بنا پر بعض جگہ برسی وغیرہ کے موقعہ پر ایک کمرے میں دستر خوان پر میت کی پسندیدہ اشیاء رکھی جاتی ہیں تاکہ وہ اس کو کھا سکے۔ یہ عقیدہ انتہائی لغو و بے اصل اور نامعقول ہے کیونکہ میت اگر دوزخی اور عذاب میں گرفتار ہے تو اس کی روح کا عذاب سے چھوٹ کر آنا کیونکر ممکن ہے؟ اور اگر وہ جنتی ہے تو دنیا کی فانی و مادی چیزوں کی تلاش میں وہ کیوں آئے گی؟

لطیفه: ایک جگہ اسی قسم کی تقریب میں ایک مولانا کو مدعو کیا گیا تو وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک دسترخوان پر مختلف کھانوں کے ساتھ بیڑی سگریٹ بھی ہے، مولانا کو حیرت ہوئی کہ یا اللہ! یہ بیڑی سگریٹ دسترخوان پر کیوں؟ بعد میں پتہ چلا کہ یہ زندہ دعوتیوں کے لیے نہیں بلکہ میت کی روح کے لیے ہے۔ لاحول ولاقوۃ! کس قدر بے ہودہ عقیدہ ہے؟ غرض یہ کہ یہ عقیدہ بے اصل ہے اور جو بعض روایات میں روحوں کے گھر میں آنے کا ذکر آیا ہے، یہ روایات صحیح وثابت نہیں ہیں۔

حیلۂ اسقاط:

بعض جگہ میت کی نمازوں اور روزوں کا شرعی فدیہ ادا کرنے کے بجائے یہ کرتے ہیں کہ میت کا وارث ایک آدمی (مثلاً ملا، مؤذن وغیرہ) کو ایک نماز کے فدیہ کی رقم دیکر پھر اس سے اپنے نام وہ ھبہ کرالیتا ہے پھر وہی رقم دوسری نماز کے فدیہ میں اس آدمی کو دیتا ہے اس طرح گویا تمام نمازوں کا فدیہ ادا کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط رسم ہے اور جو فقہاء نے ایسا حیلہ لکھا ہے وہ مخصوص شرائط کے ساتھ ہے جو یہاں عام طور پر پائی نہیں جاتیں۔ لٰہذا یہ رسم فقہاء کے کلام سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اور اس کے موجد دراصل پیٹ پالو قسم کے پیر اور دکان دار مولوی ہیں، اس لیے اس کو بھی ترک کرنا لازم ہے۔

زیارتِ قبور

اسلامی شریعت میں وقتاً فوقتاً قبرستان جانا اور ایصالِ ثواب کرنا اور عبرت حاصل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کر دیا تھا (لیکن اب تم کو اجازت ہے کہ) قبروں کی زیارت کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ قبروں کی زیارت کرو کہ وہ آخرت کی یاد دہانی کرتی ہیں۔[(۱)]

لہٰذا عبرت کی خاطر اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کی نیت سے کبھی کبھی زیارتِ قبور کے لیے جانا چاہیے، زیارتِ قبور کے موقعہ پر کیا کرنا چاہیے؟ اس کا مختصر دستور العمل یہ ہے:

زیارتِ قبور کے شرعی آداب:

(۱) جب قبرستان میں قبروں کے پاس سے گزرے تو قبر والوں کو سلام کرنا

(۱) مسلم:۱۶۲۳، ابوداؤد:۲۸۱۶، نسائی:۲۰۰۵، احمد:۲۱۸۸۰، ابن ماجہ:۱۵۵۸، ترمذی:۹۸۴

چاہئے اور ان کو دعاء بھی دینا چاہئے ۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو قبرستان جانے پر پڑھنے کے لیے یہ الفاظ تعلیم فرمائے اور خود بھی جب قبرستان جاتے تو یہی یا اس جیسے الفاظ پڑھتے تھے:

﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْ مِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَاحِقُوْنَ ،اَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ، اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ﴾. (۱)

(ترجمہ: اے اس بستی کے رہنے والے مؤمنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب تم سے ملنے والے ہیں ،ہم اللہ سے تمہارے اور ہمارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں ،تم ہم سے پہلے جانے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں)

(۲) سنت یہ ہے کہ کھڑے ہوکر، ہاتھ اُٹھا کر دعاء واستغفار کرے ،حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے قبرستان بقیع الغرقد میں کھڑے ہوکر، ہاتھ اُٹھا کر تین دفعہ دعاء کی ۔ (۲)

علامہ نوویؒ شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے (قبرستان میں) دعاء اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا مستحب ہونا معلوم ہوا۔ (۳)

(لیکن اگر ہاتھ اُٹھانے میں کسی غلط فہمی کا اندیشہ ہو تو ہاتھ نہ اُٹھانا چاہئے ،مثلا کوئی دیکھنے والا جاہل یہ سمجھے کہ قبر والے سے ہاتھ اُٹھا کر مانگا جا رہا ہے تو یہ بہت ہی بُرا اور باطل عقیدہ ہے۔لھذا ایک تو ہاتھ اُٹھاتے وقت یہ عقیدہ ہو کہ میں اللہ سے اس میت کے حق میں دعاء کررہا ہوں ، دوسرے یہ دیکھ لے کہ اس سے کسی کو غلط فہمی نہ

---

(۱) مسلم:۱۶۲۱،نسائی:۲۰۱۳،ابن ماجہ:۱۵۳۶،احمد:۲۱۹۰۷، و بلفظ آخر ترمذی:۹۷۳، وابوداؤد: ۲۸۱۸،(۲) مسلم:۱۶۱۹،نسائی:۲۰۱۰،احمد:۲۴۶۷۱ (۳) شرح مسلم ۳۱۳/۲۱

ہواور کسی کے غلط عقیدہ کو تقویت نہ ملے ۔

(۳) اس کے بعد قرآن میں سے جو یاد ہو پڑھکر ایصالِ ثواب کرے، بعض روایات میں ہے کہ جو شخص قبروں پر سے گزرا اور [**قل ھو اللّٰہ احد**] گیارہ دفعہ پڑھکر اس کا ثواب مردوں کو پہنچایا تو اس کو وہاں کے مردوں کی تعداد کے برابر اجر ملے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو قبرستان میں داخل ہوا اور سورۂ فاتحہ، اور اخلاص اور **الھاکم التکاثر** پڑھا اور کہا کہ اے اللہ! میں نے تیرا جو کلام پڑھا ہے اس کا ثواب قبر والے مؤمن مردوں اور عورتوں کو میں دیتا ہوں تو یہ قبر والے اللہ کے پاس اس کے حق میں سفارش کریں گے۔ (۱)

غرض جو بسہولت پڑھا جاسکتا ہے یا جو یاد ہے اس کو پڑھکر اس کا ثواب مردوں کو پہنچا دینا مستحب ہے۔

(۴) جب قبرستان جائے تو قبروں کی درمیانی جگہ میں جوتے پہنکر نہ چلے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو اللہ کے نبی ﷺ نے دیکھا کہ وہ قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چل رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے دو جوتے والے ! تیرا برُا ہو، اپنی جوتیاں نکال دے۔ (۲)

ہاں جانے آنے کے لیے جو راستہ مستقل طور پر بنا ہوا یا چلنے کے لیے چھوڑا ہوا ہوتا ہے اس پر جوتوں کے ساتھ چلنا جائز و درست ہے۔

(۵) قبر پر بیٹھنا جائز نہیں، لہٰذا اس سے بھی بچنا چاہیئے، حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ قبروں پر بیٹھا جائے۔ (۳)

---

(۱) بحوالہ اعلاء السنن: ۸/۲۸۷ تا ۸/۲۸۸، یہ روایات اگر چہ ضعیف ہیں مگر چونکہ متعدد ہیں اس لیے حسن لغیرہ ہیں، ویسے بھی فضائل کے باب میں حدیثِ ضعیف قابلِ عمل ہوتی ہے۔ احقر نے اس کی تحقیق اپنے عربی مقالہ ''حول الحدیث الضعیف'' میں کی ہے۔ (۲) ابو داؤد: ۲۸۱۱، نسائی: ۲۰۲۱، ابن ماجہ: ۱۵۵۷، احمد: ۱۹۸۵۶، طحاوی: ۱/۲۴۶، بیہقی: ۷۳۱۷، (۳) مسلم: ۱۶۱۰، نسائی: ۲۰۰۱، ابوداؤد: ۲۸۰۷، احمد: ۱۳۶۳۳

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی انگارہ پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل جائیں اور وہ اس کے جسم تک پہنچ جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر پر بیٹھے۔ (۱)

(٦) کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے میت کو تکلیف پہنچتی ہو جیسے قبر کو روندنا کہ اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو روندنے سے منع کیا ہے۔ (۲)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں انگارے پر چلوں، یہ اس سے زیادہ اچھا ہے کہ میں جان بوجھ کر کسی قبر کو روندوں۔ امام محمد اس کو روایت کر کے فرماتے ہیں کہ قبروں کو قصداً روندنا مکروہ ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ (۳)

(۷) اسی طرح قبر کو ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے، کیونکہ اس سے مردے کو تکلیف ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کو حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ قبر پر بیٹھے ہیں تو فرمایا کہ قبر سے اُترو، قبر والے کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ (۴)

(۸) اسی طرح قبروں پر پیشاب یا پاخانہ کرنا سخت ناجائز ہے، ایک صحابی حضرت عقبہ بن عامرؓ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں (یعنی میں کوئی فرق ان دو باتوں میں نہیں پاتا) کہ میں قبر پر پیشاب یا پاخانہ کروں یا کسی بازار میں جہاں لوگ مجھے دیکھتے ہوں۔ (۵)

مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں قضاء حاجت کرنا اور کھلے بازار میں کرنا دونوں برابر ہیں اور ظاہر ہے کہ کھلے بازار میں قضاء حاجت کرنا انتہائی معیوب و مکروہ اور

---

(۱) ابو داؤد: ۲۸۰۹، نسائی: ۲۰۱۷، ابن ماجہ: ۱۵۵۵، احمد: ۷۷۶۰، طحاوی: ۱/۲۴۹، مسلم: ۱۶۱۰، بیہقی: ۷۳۱۵، (۲) ترمذی: ۹۷۲ (۳) کتاب الآثار: ۵۲، وراہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف: ۲۱۹/۳، (۴) طحاوی: ۱/۲۴۸، (۵) ابن ابی شیبہ: ۲۱۹/۳

ناجائز ہے اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے (شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اھلِ قبور کو یہ سب باتیں نظر آتی ہیں واللہ اعلم)۔

زیارت قبور اور شرکیات و بدعات:

اوپر زیارتِ قبور کا شرعی دستور اور اس کے اسلامی آداب بیان کئے گئے۔ اب ذرا اس طرف نظر کیجئے کہ زیارتِ قبور کے نام پر لوگ کیا کیا اور کیسے کیسے لغو و فضول بلکہ شرک و بدعت کے کام اپنائے ہوئے ہیں، خصوصا اولیاء اللہ کی مزارات پر جو ہوتا ہے وہ تو بالکل ظاہر ہے۔

مزاراتِ اولیاء پر سجدہ کی بدعت:

اولیاء اللہ کی مزارات پر بعض لوگ سجدہ کرتے ہیں حالانکہ سجدہ تو سوائے اللہ تعالی کے کسی کے لئے جائز نہیں ہے، مگر افسوس کہ یہ لوگ بلا جھجھک و بلا کھٹک اولیاء اللہ کی مزاروں پر سجدہ کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسے لوگ اکثر و بیشتر اللہ تعالی کے لیے سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ نماز پڑھے والوں کو گالیاں دیتے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قرآن تو جگہ جگہ یہ کہتا ہے کہ ﴿ **فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ** ﴾ اور ﴿ **وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ** ﴾

(کہ اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو) مگر یہ خدا سے غافل ہو کر مخلوق کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور اللہ کی عبادت کو اور عبادت کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

حضرت قیس بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مقامِ حیرہ گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے (دل دل میں) کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ میں حیرہ شہر گیا تھا اور میں نے وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں اور آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، اللہ کے

رسول ﷺ نے فرمایا کہ کیا اگر میری قبر کے پاس سے گزرو گے تو اس کو بھی سجدہ کرو گے ؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، (قبر کو تو سجدہ نہیں کروں گا، زندگی میں سجدہ کی اجازت چاہتا ہوں) آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرنا، میں اگر کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ (۱)

اور حضرت ابوھریرہؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (۲)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت سراقہ بن مالکؓ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ، حضرت طلق بن علیؓ، حضرت ام سلمہؓ حضرت انسؓ، اور حضرت ابن عمرؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایات آئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں حتّٰی کہ حضرت آقائے دوجہاں، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات محمد عربی (فداہ روحی وابی وامی) ﷺ کے لیے بھی جائز نہیں، نہ زندگی میں اور نہ وفات کے بعد قبر پر، جیسا کہ اوپر کی حدیث سے واضح ہے، اب غور کیجئے کہ جب آپ ﷺ کے لیے سجدہ جائز نہیں تو کسی پیر، ولی، غوث، قطب، یا ابدال کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ لہٰذا یہ صریح حرام اور اس کا ارتکاب معصیت ہے۔ بعض لوگ جو اس قسم کی شرکیہ اور بدعیہ باتوں میں ملوث ہوتے ہیں، اپنے ان خرافات کو جواز کے دائرہ میں لانے کے لیے بعض مہمل تاویلات سے کام لیتے ہیں مثلاً بعض کہا کرتے ہیں کہ ہم عبادت کے طور پر نہیں بلکہ تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ مگر یہ تاویل لغو اور بے سود ہے کیونکہ جو حدیث اوپر عرض کی گئی وہ صاف بتا رہی ہے کہ کسی بھی قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں کیونکہ اس حدیث میں سجدہ عبودیت کا سوال نہیں ہے بلکہ ان صحابی نے آپ ﷺ سے جو

---

(۱) ابوداؤد: ۱۸۲۸، دارمی: ۱۴۲۷، (۲) ترمذی: ۱۰۷۹

سوال کیا تھا وہ سجدۂ تعظیمی ہی کے متعلق تھا۔ کیونکہ صحابی بھی آپ ﷺ کی تعظیم ہی کی خاطر یہ اجازت چاہ رہے تھے نہ کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کی عبادت کے لیے۔ کیونکہ عبادت تو غیر اللہ کی کبھی اور کسی بھی شریعت میں جائز نہیں تھی اور صحابی تو صحابی آج کا عام مسلمان بھی اس بات کو جانتا ہے، تو پھر کیا صحابی آپ کی عبادت کیلیے اجازت مانگ سکتے ہیں؟ جب نہیں تو بات صاف ہے کہ ان کا سوال سجدۂ تعظیمی کے بارے میں تھا اور اسی پر حضور ﷺ نے فرمادیا کہ اللہ کے سوا کسی کیلیے بھی سجدہ جائز نہیں جس سے واضح ہے کہ آپ کی مراد اس سے سجدۂ تعظیمی ہی ہے معلوم ہوا کہ اسلام میں سجدۂ تعظیمی بھی اللہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔

قبروں پر منتیں ماننا اور حاجتیں مانگنا:

بہت سے لوگ اولیاء اللہ سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں اور ان کے نام پر منت مانتے ہیں، یہ بھی حرام اور شرکیہ کام ہے۔ سوائے اللہ کے کوئی کسی کی حاجت ومراد برلانے والا نہیں۔ مشکل کشا وحاجت روا صرف اور صرف اللہ ہے، اس موضوع پر احقر نے اپنی کتاب ''دیوبندیت و بریلویت'' میں کسی قدر تفصیل سے دلائل کے ساتھ کلام کیا ہے۔ (۱)

اور نذر ومنت چونکہ ایک عبادت ہے اور عبادت سوائے اللہ کے کسی اور کے لیے نہیں ہوسکتی، لہٰذا وہ بھی غیر اللہ کے لیے ناجائز ہے پھر اگر اس نذر میں کسی گناہ کی نذر کی جائے تو اور زیادہ گناہ کی بات ہے مثلاً کسی نے نذر مانی کہ میرا بچہ صحت یاب ہوگیا تو کالے شاہ کی مزار پر گھوڑا یا صندل چڑھاؤں گا یا ڈھول بجواؤں گا وغیرہ تو یہ غیر اللہ کی نذر کے ساتھ ساتھ ایک حرام کام کی نذر ہے اور حرام کام کی نذر اللہ کے لیے ماننا بھی جائز نہیں تو غیر اللہ کے لیے ماننا اور زیادہ گناہ کی بات ہے، حدیث میں ہے

(۱) دیوبندیت و بریلویت، دلائل کے آئینہ میں: ۳۱ تا ۴۲

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ **لا نذر فی معصیة اللّٰہ** ﴾[1]

(یعنی اللہ کی معصیت میں نذر جائز نہیں)

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ:

﴿ **من نذر ان یطیع اللّٰہ فلیطعه و من نذر ان یعصیه فلا یعصه** ﴾

(یعنی جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ (اپنی نذر کو پورا کر کے) اللہ کی اطاعت کرے اور جو اللہ کی معصیت کی نذر مانے وہ (اپنی نذر کے ذریعہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔[2]

ایک حدیث میں ہے کہ ﴿ **لا وفاء لنذر فی معصیة اللّٰہ** ﴾ کہ اللہ کی معصیت کی نذر کو پورا نہیں کیا جائے گا۔[3]

اور اگر کوئی اس قسم کی نذر مان لے تو اس کو چاہئے کہ اس کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔[4]

خلاصہ یہ کہ نذر ایک تو غیر اللہ کے لیے نہیں ہو سکتی دوسرے کسی ناجائز کام کی نہیں ہو سکتی، اور یہ قبر پرست لوگ ان دونوں باتوں میں غلطی کرتے ہیں۔ ایک تو اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں دوسرے ناجائز کاموں کی نذر مانتے ہیں۔ پھر یہ نذر اس عقیدہ سے مانتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ ہماری مرادیں اور حاجتیں پوری کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ تمام عقیدے اور اعمال اسلام کے خلاف ہیں اور بالکل مشرکینِ عرب کے اعمال و عقائد کے مطابق ہیں۔ اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

---

(۱) مسلم:۳۰۹۹، نسائی:۳۷۵۲، احمد:۱۹۰۱۰ ابوداؤد:۲۸۴۹، ابن ماجہ:۲۱۱۶، ترمذی:۱۴۴۴

(۲) بخاری:۶۲۰۲، نسائی:۳۷۴۶، ابوداؤد:۲۸۶۲، ابن ماجہ:۲۱۱۷ احمد:۲۲۹۴۶، مالک:۹۰۲، دارمی:۲۲۳۳ (۳) مسلم:۳۰۹۹، دارمی:۲۲۳۲، احمد:۱۹۰۱۷، ابوداؤد:۲۸۸۳

(۴) نسائی:۳۷۸۷، ترمذی:۱۴۴۴، احمد:۱۹۱۳۴،

نے ''الفوز الکبیر'' میں فرمایا ہے کہ:

''اور تم کو مشرکین کے احوال، اعمال وعقائد کی تصویر میں کچھ توقف ہو تو اس زمانے کے عوام اور جاہلوں کا حال دیکھ لو۔ خصوصا ان کو جو دارالاسلام (دہلی) کے اطراف میں رہتے ہیں کہ وہ ولایت کو کیا خیال کرتے ہیں اور اس کے بارے میں ان کا کیا تخیل ہے۔ وہ قبروں پر اور آثار کو جاتے ہیں، اور مختلف قسم کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (۱)

بہر حال مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان خرافات وشرکیات سے بچیں اور اپنی حاجات میں اللہ کی طرف رجوع کریں۔ ہاں ان بزرگوں کے وسیلہ سے اللہ سے دعاء کی جائے تو درست ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام احقر کی کتاب '' دیو بندیت و بریلویت'' میں موجود ہے۔

عرس وصندل کی بدعت:

عرس وصندل کے نام سے اولیاء اللہ کی مزارات پر جو خرافات ہوتے ہیں وہ تو اس قدر ظاہر ہیں کہ جس کے دل میں ذرا بھی حق پسندی و دیانت داری کا عنصر ہوگا وہ صاف صاف اس کو غلط اور منکر سمجھے گا۔ مگر شیطان نے بہت سے لوگوں کو بہکا رکھا ہے اور وہ ان خرافات کو دین و ایمان کا جزء اور تمام فرضوں سے بڑھکر فرض سمجھے ہوئے ہیں۔ مگر مسلمانو! اللہ کے لیے غور کرو کہ کیا کبھی صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ کا یا حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کا عرس کیا یا ان کی مزارات پر صندل چڑھایا تھا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہ دین کا کام اور نیکی وثواب کا کام نہیں ہے، ورنہ یہ حضرات ضرور اس کو اپناتے۔ جب نہیں اپنایا تو اسی لیے نہیں اپنایا کہ یہ دین کا کام نہیں ہے بلکہ ان موقعوں پر ہونے والے افعال میں سے بہت

(۱) الفوز الکبیر: ۵

سے کام خلافِ شرع ہیں۔ مثلاً حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔(۱)

مشہور محدث ملا علی القاریؒ شرحِ مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ میری قبر کو عید کی طرح لہو و سرور کا مظہر نہ بنالو، ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ میری قبر کو عید کیطرح سال میں ایک یا دو دن نہ آیا کرو بلکہ بار بار آیا کرو۔ اس کے بعد شارحِ مشکوٰۃ

علامہ طیبیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

" نهاهم عن الاجتماع لها اجتماعهم للعيد نزهة و زينة و كانت اليهود والنصارىٰ تفعل ذالك بقبور انبيائهم فاورثهم الغفلة و القسوة و من عادة عبدة الاوثان انهم لا يزالون يعظّمون امواتهم حتٰى اتخذوها اصناما و الى هذا اشار بقوله:

"ا للّٰهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد" فيكون المقصود من النهى ان يتجاوزوا فى قبره غاية التجاوز ۔(۲)

(آپ ﷺ نے ان (صحابہ) کو قبر پر عید کی طرح تفریحاً اور زینت کے طور پر جمع ہونے سے منع فرمایا اور یہود و نصاری اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے پس ان میں اس نے غفلت و سخت دلی پیدا کردی اور بتوں کے پجاریوں کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ سے اپنے مرے ہوئے لوگوں کی تعظیم کرتے تھے حتی کہ انہوں نے ان (اھلِ قبور) کو بت بنالیا، اور اسی کی طرف آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے "اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا دے جس کی عبادت کی جائے" لہٰذا اس حدیث کا مقصود یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کی قبر کے بارے میں حد سے آگے بڑھنے سے منع کیا جائے)

(۱) احمد: ۸۴۴۹، ابوداؤد: ۱۷۴۶، مشکوٰۃ: ۸۶، مجمع الزوائد: ۲/۲۴۷، (۲) مرقاۃ المفاتیح: ۲/۳۴۲

حدیث کی ان تشریحات کے مطابق غور کیجئے کی عرس کی ان کے رو سے کیا حیثیت قرار پاتی ہے؟ عرس میں لوگ زیب و زینت کے ساتھ، تفریحا اور لہو ولعب اور کھیل تماشے کی طرح جمع ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے مخصوص تاریخیں مقرر ہوتی ہیں، نیز اس میں گانا بجانا، قوالی و ناچ سب کچھ ہوتا ہے جو اسلام میں ناجائز اور حرام ہے، تو بھلا اس کی اجازت اسلامی نقطۂ نظر سے کیونکر ہوسکتی ہے؟ اور جب اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی قبر کے سلسلہ میں یہ فرمادیا ہے تو کسی اور کی قبر پر عرس اور صندل کی اجازت کا کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟

پھر عرس کے لئے آنے والے دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں حالانکہ بہت سے علماء کے نزدیک قبروں کی زیارت کے لئے سفر ناجائز ہے۔ وہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿**لا تشدوا الرحال الا الی ثلاثة مساجد ، مسجدی هذا، و مسجد الحرام ، و المسجد الاقصیٰ**﴾ (۱)

(تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف کجاوہ نہ باندھنا یعنی سفر نہ کرنا، ایک میری مسجد (مسجدِ نبوی) دوسرے مسجدِ حرام (کعبۃ اللہ) اور تیسرے بیت المقدس)

اگر چہ اس استدلال میں جمہور علماء نے کلام کیا ہے، لیکن اگر اس سفر سے معصیت کا ارتکاب لازم آتا ہے تو پھر وہ سفر جائز نہیں، چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:

''قبورِ بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے، بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں، مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔ (۲)

(۱) بخاری: ۱۱۱۵، مسلم: ۲۳۸۳، احمد: ۱۱۵۵۷، ترمذی: ۳۰۰، ابوداؤد: ۱۷۳۸، (۲) فتاوی رشیدیہ مکمل: ص ۵۵۵

ان تفصیلات سے واضح ہوا کہ عرس وصندل کے نام پر لوگوں کا اولیاء اللہ کی مزاروں پر جمع ہونا پھر وہاں مختلف ومتعدد گناہوں کا ارتکاب سخت معصیت ہے اور اس کا اسلامی مزاج سے اور نبوی طریقہ سے کوئی بھی جوڑ نہیں اور جو مجاور اور پیر لوگ ان سلسلوں کے بانی مبانی ہیں ان کا ان سب چیزوں سے مقصود صرف مال بٹورنا ہوتا ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

مزاراتِ اولیاء پر عورتیں:

اولیاء اللہ کی اور بعض جگہ عام قبروں پر بھی عورتیں زیارت کے لئے جاتی ہیں اور خصوصاً عرس وصندل وغیرہ کی رسموں میں ان کا وجود گویا لازم وضروری ہے حالانکہ بہت سے علماء نے عورتوں کے لئے قبروں پر حاضری وزیارت کو حرام وناجائز وباعثِ لعنت قرار دیا ہے اور ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ (۱)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے (زیارتِ قبور سے) عورتوں کو اس لئے منع کیا کہ ہم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں سے زیادہ گمراہ کسی کو نہیں پایا۔ (۲)

اس سلسلہ میں حنابلہ وشافعیہ کا مذھب یہ ہے کہ عورتیں جوان ہوں یا بوڑھی، زیارتِ قبور کے لئے ان کا جانا مکروہ ہے اگر چہ کسی فتنہ کا خوف نہ ہو، اور اگر فتنہ کا خوف ہو تو ان کا جانا حرام ہے، اور حضرات حنفیہ و مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ بوڑھی عورتیں اگر شرعی پابندیوں کے ساتھ جائیں تو درست ہے لیکن جوان عورتوں کا جانا چونکہ مفاسد پیدا کرتا ہے، اس لئے حرام ہے۔ (۳)

---

(۱) ابوداؤد: ۲۸۱۷، ترمذی: ۲۹۴، نسائی: ۲۰۱۶، ابن ماجہ: ۱۵۶۴، احمد: ۱۹۲۶، مستدرکِ حاکم: ابن ابی شیبہ؛ ۲۲۵/۳ (۲) ابن ابی شیبہ: ۲۲۶/۳، (۳) الفقہ علی المذاھب الاربعۃ: ۵۴۰/۱، شامی: ۲۴۲/۲

معلوم ہوا کہ اکثر علماء تو عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کو جائز نہیں کہتے اور جو جائز کہتے ہیں وہ بھی صرف بوڑھی عورتوں کے لئے جائز کہتے ہیں جبکہ وہ حدودِ شرعیہ و احکام شرعیہ کے خلاف نہ کرے۔ (واللہ اعلم)

﴿ دعاء واختتام ﴾

آخر میں تمام اہل اسلام سے گذارش ہے کہ مندرجہ اسلامی احکام کے مطابق موتی کے سلسلہ میں کارروائی کی جائے کہ یہی دراصل مسلمانی کی شان اور اللہ و رسول سے سچی محبت و عشق کی علامت ہے۔ الحمد للہ ہم نے اس رسالہ میں تمام مسائل کو احادیث اور مستند علماء و فقہاء کے حوالوں سے مزین کر دیا ہے۔ جو انصاف اور حق کا متلاشی ہے وہ ضرور اس سے روشنی حاصل کرے گا ہاں جو گمراہی ہی کو اپنا مقدر بنالیا ہو اس کے لئے ہزار دلائل بھی نا کافی ہیں جیسے جاہل پیر جو اولیاء اللہ کی محبت کے نام پر لوگوں کو شرک و بدعت میں مبتلا کرتے ہیں۔ اللہ تعالی مسلمانوں کو ان سے محفوظ رکھے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس رسالہ کو شرفِ قبول عطاء فرمائے اور اس کو لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔

میری وصیت:

میں اپنے رشتہ دار و احباب اور شاگردوں اور متعلقین کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے مرنے پر تمام رسومات شرعی احکام کے مطابق ادا کئے جائیں اور کسی قسم کی بدعت اور غیر شرعی کام نہ کیا جائے۔ اور ان معاملات میں علماءِ صالحین کی سرپرستی حاصل کی جائے۔ نیز میرے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کریں اور دعاؤں میں فراموش نہ کریں کہ یہی آپ کا میرے لئے عظیم تحفہ ہوگا۔ فقط

محمد شعیب اللہ خان (مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور)